اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ ربوہ

خالد

ستمبر اکتوبر ۱۹۶۴ء

سالانہ قیمت - پانچ روپے
بیرون پاکستان - ۱۰ شلنگ

اداریہ

۱۔ الاعتذار

ہمارے سابقہ اعلان کے مطابق شمارہ ہذا "خلافت ثانیہ نمبر" ہونا چاہیئے تھا لیکن بعض مجبوریوں کے پیش نظر جن میں مالی مشکلات سرِفہرست ہیں، وقتی طور پر خاص نمبر کی اشاعت ملتوی کرنی پڑی ہے۔ اس امر کا ہمیں بخوبی احساس ہے کہ ہمارے احباب اس خصوصی شمارہ کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ کیونکہ بہت کثرت سے ان کے خطوط و استفسارات اس سلسلہ میں ہمیں موصول ہوئے ہیں۔ لیکن ہم بھی کچھ ایسے حالات سے دوچار ہیں کہ یہ مختصر سا التواء ناگزیر سمجھا گیا۔ سو اس تاخیر و التواء کے لئے اور خاص نمبر کے انتظار کی مزید زحمت دینے پر ادارہ خالد اپنے تمام کرم فرماؤں سے بصد ادب معذرت خواہ ہے۔ نیز اپنے احباب سے اس غرض کے لئے دعا کی بھی درخواست کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جملہ مشکلات دور فرمائے اور جلد از جلد خلافت ثانیہ نمبر کی اشاعت کی توفیق دے اور اسے ہر لحاظ سے مفید و بابرکت بنائے۔ آمین

۲۔ خصوصی شمارہ کی ایک جھلک

ماہنامہ خالد کا "خلافت ثانیہ نمبر" انشاء اللہ العزیز ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہوگا۔ جماعت کے نامور اہلِ علم حضرات کے کم و بیش ۵۰ نہایت عمدہ و بلند پایہ مضامین اور قریباً اسی تعداد میں مشہور احمدی شعراء کی نہایت پیاری اور دلوں کو لبھانے والی نظمیں اس خصوصی شمارہ کی زینت ہوں گی۔ رسالہ کی تدوین و ترتیب میں جن احباب کرام و بزرگان گرامی نے خصوصیت سے عملی حصہ لیا ہے ان کی طویل فہرست میں سے چند اسماء یہ ہیں :-

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ محترم مولانا ابو العطاء صاحب۔ محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ محترم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ۔ محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ۔ محترم صاحبزادہ میرزا رفیع احمد صاحب۔ محترم صاحبزادہ میرزا طاہر احمد صاحب۔ محترم مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل۔ محترم شیخ عبد القادر صاحب فاضل۔ محترم نور الدین صاحب منیر ایم۔ اے۔ محترم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ محترم چوہدری محمد صدیق صاحب فاضل۔ اور بہت سے دیگر احباب (عدم گنجائش کے باعث مکمل لسٹ نہیں درج کی جا سکی)

خالد کے جملہ خریدار اصحاب کو یہ رسالہ زائد قیمت طلب کئے بغیر ارسال کر دیا جائے گا۔ عام فروخت کے لئے محدود تعداد میں زائد کاپیاں چھپوائی جا رہی ہیں۔ احباب کو چاہیئے کہ ابھی سے اپنے آرڈر بھجوا دیں۔ نیز اس مفید مجموعہ کی غیر مبائعین اور غیر از جماعت اصحاب میں تقسیم کے لئے عطایاجات کی رقوم بھی جلد بھجوا دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"
(المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

ادارۂ تحریر
ایڈیٹر: رفیق احمد ثاقب — نائب: لطف الرحمٰن محمود

جلد ۱۰	تبوک، اخاء ۱۳۴۳ ہش	ستمبر، اکتوبر سنہ ۱۹۶۴ء	شمارہ ۱۱-۱۲

مندرجات

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بہشت اور دوزخ کا مکالمہ

حضرت ابوسعید الخدری رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہشت اور دوزخ کی آپس میں بحث ہوئی - دوزخ نے کہا مجھ میں جبار اور سرکش اور متکبر لوگ ہونگے اور بہشت نے کہا مجھ میں ضعیف اور مساکین ہونگے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ دیا کہ بہشت میری رحمت ہے' مَیں جسے چاہوں رحمت سے حصہ دوں اور دوزخ میرا عذاب ہے جسے چاہوں عذاب دوں دونوں کا پُر کرنا میرے ذمّے ہے۔ (مسلم)

برکت کی منزل

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برکت طعام کے وسط میں نازل ہوتی ہے۔ پس کھانا (برتن کے) کناروں سے کھایا کرو اور وسط میں سے نہ کھانا شروع کر دیا کرو۔ (ابوداؤد)

بڑے اجر والی نیکیاں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مومن کی دنیاوی تکلیف کو دُور کرے تو خدا قیامت کے دن اس کا رنج دُور کرے گا - اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُسے سہولت دے گا - اور جس نے مسلمانوں کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر پردہ ڈالے گا - اور اللہ تعالیٰ بندہ کی اعانت میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی اعانت میں رہے - اور جو شخص علم کی طلب میں سفر کرے اللہ تعالیٰ جنّت کی جانب اس کا راستہ آسان کر دیتا ہے - اور کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب پڑھنے اور باہم درس و تدریس کے لئے نہیں جمع ہوتی مگر اللہ ان پر اپنی سکینت نازل فرماتا ہے اور اس کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے - اور فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں - اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرّب ملائکہ سے ان کا ذکر کرتا ہے - اور جس شخص کو قیامت کے دن عمل پیچھے کر دیگا شرافت نسبی اُسے آگے نہیں کر سکیگی۔ (مسلم)

مریضوں کی عیادت

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس لوٹنے تک بہشت کی میوہ خوری میں ہوتا ہے۔ (مسلم)

جماعت احمدیہ کا نیا مرکز

ربوہ

ابراہیمی سنت کا احیاء

محترم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے

(۱)

آج سے قریباً چار ہزار سال پیشتر اللہ تعالیٰ کے پاکباز بندے ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک رؤیا دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے اسماعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ نے اس رؤیا کا اپنے بیٹے سے ذکر کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے بالکل رضامند پایا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے ہی لگے تھے کہ غیب سے ندا آئی کہ اے ابراہیم! تو نے اپنی طرف سے اپنی رؤیا کو سچا کر دکھایا ہے لیکن اب اسماعیل علیہ السلام کو ظاہری رنگ میں ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ رؤیا کو ظاہری طور پر بھی پورا کرنے کے لئے اپنے بچے کے فدیہ میں ایک مینڈھا ذبح کر دے۔ چنانچہ ایک مینڈھا ذبح کر دیا گیا۔ اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے نسلِ ابراہیم میں اس واقعہ اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک عظیم الشان قربانی کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:-

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصّٰفّٰت ۱۰۸)

یعنی ہم نے اس کا (یعنی اسماعیل کا) فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ سے دے دیا۔

آج بھی اہلِ اسلام اسی سنتِ ابراہیمی کو قائم رکھنے کے لئے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانیاں ذبح کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیا کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو خدمتِ دین اور خدمتِ بیت اللہ کے لئے معنوی رنگ میں ذبح کریں گے۔ اور اس مقصد کے لئے انہیں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ آئیں گے۔ اسی بناء پر حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یعنی آپ کا ظاہری طور پر ذبح کے لئے تیار ہو جانا اور پھر معنوی طور پر حقیقتاً ذبح ہو جانا۔ پس حقیقی ابراہیمی سنت یہ ہے کہ انسان اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے مال اپنی اولاد اور اپنی ہر چیز کو قربان کر دے گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایک موت قبول کرتے ہوئے وقف ہو جانا حقیقی اسماعیلی قربانی ہے۔

سو ایک واقفِ زندگی جو اپنے اوپر ایک موت بلکہ کئی موتیں وارد کر کے وقف کی تمام شرائط کو کماحقہٗ پورا کر کے خدمتِ دین میں لگ جاتا ہے وہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ظلیت میں ذبیح اللہ کے نام کا مستحق ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور اس کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو اللہ تعالیٰ کے قدیم معبد کے کھنڈرات کے قریب ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ چلے اور زندگی کی بقا کیلئے پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھجوریں اُن کو دے چلے تو حضرت ہاجرہؓ گھبراہٹ کے عالم میں اُن کے پیچھے پیچھے آئیں اور پوچھا کہ اے ابراہیم! تم ہمیں کہاں چھوڑ چلے ہو؟ کیا اس جنگل میں جہاں نہ کھانے کی کوئی چیز حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی پانی دستیاب ہے!!؟ حضرت ابراہیمؑ غلبۂ رقت اور شدید جذباتِ تلاطم کی وجہ سے جواب نہ دے سکے تب حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا کہ اچھا اتنا تو بتا دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ایسا کر رہے ہو یا اپنے ارادے سے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر ایسا کر رہا ہوں اور اس کے بعد آپ آگے بڑھ گئے جب آپ ایک ٹیلے کی اوٹ میں آ گئے تو انتہائی رقت اور الحاح کے ساتھ آپ نے اپنے رب کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ
بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً
مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝

(ابراہیم آیت ۳۸)

یعنی اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے ایک حصّے کو ایک ایسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے۔ اے میرے رب میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا وہ دنیا کے خرخشوں سے علیحدہ رہ کر تیرے ساتھ اپنا حقیقی تعلق پیدا کریں اور عمدگی سے نماز ادا کریں اور تیرے دین کی خدمت کریں۔ ظاہری طور پر میں نے اپنے اس بچے اور اس کی نسل کو ہلاکت کے میدان میں لا ڈالا ہے۔ لیکن میں اب تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں مرجعِ خلائق بنا دے۔ دنیا کے کونے کونے سے لوگ تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اور دوڑتے ہوئے خود ان کے پاس حاضر ہوں اور تیری تسبیح و تحمید سے اس فضا کو معمور کر دیں۔ اے میرے رب! میں نے ان کو ایسی جگہ لا بٹھایا ہے جہاں روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں پانی بھی نہیں ملتا۔ لیکن میں تجھ سے یہ سوال نہیں کرتا کہ تو اس جگہ پر انہیں روٹی اور پانی مہیا کر بلکہ تیری عجیب در عجیب قدرتوں پر ایمان رکھتے ہوئے تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو انہیں مختلف پھلوں سے رزق دیتا رہے۔ معمولی روٹی کا تو سوال ہی نہیں میں تجھ سے ان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ پھل طلب کرتا ہوں جو گھر بیٹھے ملتے رہیں۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ہمیشہ تیرا شکر بجا لاتے رہیں۔

یہ دعا کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تو
چلے گئے پیچھے رہنے والوں کے پاس کھانے اور پانی کا جو
ذخیرہ تھا وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اسماعیلؑ پیاس کی شدت کی
وجہ سے تڑپنے لگے اور اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑنے لگے۔
ماں کی مامتا سے بچے کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ وہ دوڑتی
ہوئی کبھی ایک پہاڑی پر چڑھتیں اور کبھی دوسری پر۔ یہ
دیکھنے کے لئے کہ شاید کوئی قافلہ آرہا ہو جس سے وہ اپنے
بچے کے لئے پانی حاصل کر سکیں۔ ساتویں دفعہ جب وہ دونوں
پہاڑیوں یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ چکیں تو ایک
فرشتے نے انہیں خبر دی کہ تیرے بچے کے لئے اللہ تعالیٰ نے
نے پانی کا سامان کر دیا ہے وہ واپس اپنے بچے کے پاس
آئیں تو دیکھا کہ اُن کے پاؤں کے نیچے سے ایک چشمہ
جاری ہو گیا ہے یہ وہی زمزم کا چشمہ تھا جو آج تک موجود
ہے۔ اور یہ دونوں پہاڑیاں بھی ہمیشہ کے لئے شعائر اللہ
قرار پائیں۔ آج عمرہ کرنے والے حضرات ہاجرہ کی یاد تازہ
کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُن دونوں
پہاڑیوں کے درمیان سات دفعہ سعی کرتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے تصرف سے وہاں ایک
قافلہ آگیا جس نے وہاں پانی کا ایک چشمہ دیکھ کر حضرت
ہاجرہؑ اور اسماعیل کی ماتحتی میں وہاں مستقل قیام کر لیا اور ایک
بستی وہاں آباد ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں
تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسماعیلؑ
کی امداد کے ساتھ آپ نے خانہ کعبہ کی پرانی بنیادوں پر
اُسے پھر تعمیر کیا جیسے کہ فرمایا:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ..... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(البقرہ آیت ۱۲۸ و ۱۳۰)

یعنی اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ابراہیم اور اسمٰعیل
(علیہما السلام) خدا تعالیٰ کے گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے
اور ساتھ یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری طرف
سے اس خدمت کو قبول فرما۔ تو ہی ہے جو دعاؤں کو بہت
سننے والا اور دلوں کے بھیدوں کو خوب جاننے والا ہے۔
اور اے ہمارے رب ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو یہاں پر
رہنے والی ہماری نسل میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما
جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت
سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے
ذریعے سے خانہ کعبہ کی تعمیر اور مکے کی بستی کا آباد ہونا ایک
ایسے عظیم الشان رسول کے ظہور کی تمہید تھا۔ جسے رہتی
دنیا تک بنی نوع انسان کو علم اور حکمت کا سبق پڑھانا
تھا۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں
سے اُس وادیٔ غیر ذی زرع میں خدمت دین کا ایک
بیج بویا گیا۔ لیکن اس کے لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی خوشبو

سے ایک جہاں جھلک اٹھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ظاہر ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ
إِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ
السُّجُودِ ۝ (البقرہ آیت ۱۲۶)

یعنی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک اور صاف رکھو۔

یہ طائفین اور عاکفین کون تھے؟ ان الفاظ کے سب سے بڑے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم تھے۔ جن کی روحیں ہر وقت دینِ حق کے گرد طواف کرتی رہتی تھیں جو رکوع کرنے والے یعنی خالص توحید پر قائم تھے۔ اور جو سجدہ کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے جو جذباتی اور جانی قربانی پیش کی یعنی ایک نے اپنی نسل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر ذبح کرنا چاہا تو دوسرے نے برضا و خوشی اس ذبح کو قبول کر لیا۔ اور پھر ان دونوں قربانیوں کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کا تعمیر ہونا اور مکہ کی بستی کا آباد ہو جانا یہ سب کچھ بعثتِ محمدی کے لئے بطورِ تمہید تھا۔

---

(۲)

آخر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسی وادیٔ غیر ذی زرع میں سردارِ انبیاء سیدِ وُلدِ آدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جو دنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ لے کر آئے جس نے بنی نوع انسان کی تمام دینی ضرورتوں کو پورا کر دیا۔

؎ اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

آپ کا زمانہ تکمیلِ ہدایت کا زمانہ تھا۔ تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کا کام سورۃ جمعہ کی پیشگوئی

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت میں یعنی اس اُمّت کے مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانے میں مقدّر تھا۔ جس کی طرف آیت کریمہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ (الصف ع۱)

اشارہ کرتی ہے۔ یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہام ہوئے (تذکرہ طبع ثانی ص۱۰۵) جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی اور دینِ محمدی کو اکنافِ عالم میں پھیلا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام قادیان کی مبارک بستی سے شروع کیا لیکن جب اسماعیلی قربانی پیش کرنے والے واقفین کے ذریعہ سے دینِ ابراہیمی کی اشاعت کا کام بہت وسیع ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے

کے خاص منشاء کے ماتحت کچھ اسی قسم کے واقعات رونما ہوئے جیسے کہ ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کے زمانہ میں ہوئے تھے۔ اشاعتِ اسلام کے ایک نئے مرکز کی کچھ اسی طرح سے بنیاد رکھی گئی جس طرح ایک وادئ غیر ذی زرع میں مکہ معظمہ کی بنا ڈالی گئی تھی۔ گویا احمدیت کے مرکز ثانی دارالہجرت ربوہ کا قیام مکہ معظمہ کی ظلیت میں ہوا۔ ظاہری طور پر بھی یہ مقام مکہ معظمہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس شہر کی آبادی بھی ایک بے آب و گیاہ میدان میں ہوئی جس میں اکثر و بیشتر پانی دستیاب نہ ہوتا تھا۔ مکہ معظمہ کی طرح یہ میدان بھی سیاہ پہاڑیوں کے دامن میں ہے۔

اس مرکز کے قیام کی پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ ۸ رفروری ۱۹۰۷ء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

زمین کہتی ہے۔

(۱) "یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُکَ

(۲) یَخْرُجُ ھَمُّہٗ وَغَمُّہٗ دَوْحَۃَ اِسْمَاعِیْلَ فَاَخْفِھَا حَتّٰی یَخْرُجَ

(۳) ایک دانہ کس کس نے کھانا"

(تذکرہ طبع دوم ص ۵۸۸)

یعنی ایک مخصوص زمین ایک وقت میں آکر پکاریگی کہ اے اللہ کے نبی میں تجھ کو نہیں پہچانتی تھی۔ اس کی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہم اور غم سے بھری ہوئی دعائیں ایک عظیم الشان اسماعیلی درخت کو ظاہر کریگی پس تو اسے ابھی پوشیدہ رکھ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے ایک دانہ ہے جس کے پھلوں سے ہزاروں لاکھوں افراد متمتع ہوں گے۔

دارالہجرت ربوہ کے قیام اور آبادی سے مندرجہ بالا الہامات بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ ایک مخصوص بنجر میدان میں ایمان و عرفان کی نہریں جاری ہوئیں اور وہ زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ اے اللہ کے نبی! میں نے اب تیرا عرفان حاصل کیا ہے۔ اس سے پہلے ہزاروں دوسرے پہلے مقامات کی طرح مجھے تیرا عرفان نہیں تھا پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ سمیت ایک بے آب و گیاہ میدان میں خدمت دین کے مقصد کی خاطر بسائے گئے اور ان کی برکت سے وہاں ایک شہر آباد ہو گیا۔ اسی طرح اس زمانے میں اس زمانے کے ابراہیم ثانی کا فرزند بروز اسماعیل مصلح موعود ایدہ اللہ الودود اپنی والدہ سمیت ایک ایسی وادئ غیر ذی زرع یعنی ربوہ کے اس چٹیل میدان میں آکر اشاعت اسلام کا مقصد پورا کرنے کے لئے سکونت پذیر ہو گیا۔ جہاں پرندے پر مارتے ہوئے ڈرتے تھے۔ حد نظر تک پھیلا ہوا چٹیل میدان شور کی سفیدی سے ڈھکی ہوئی بنجر زمین، مفلس پہاڑوں کی اوٹ میں سانس لیتی ہوئی خوفناک تنہائی۔ مسافر اس وادی میں داخل ہوتے تو دہشت اور خوف کی وجہ سے ان کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں میں تیزی پیدا ہو جاتی کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ اس وادی کو طے کر جائیں! ملک کے ایک مشہور شاعر (احسان دانش) نے ربوہ کی آبادی کے ابتدائی مراحل طے ہوتے دیکھ کر یہ اشعار کہے تھے۔ سہ

یہ مفلس پہاڑوں کا ویران دامن، خمیدہ کمر راستوں کا نظارا

کہیں ریت، نیچی چٹانوں کو چھو کر گزرتا چناب رواں کا کنارا

یہاں ڈوب کی پیشمیں زرد پلکوں پہ اشکوں کی زنجیر کم دیکھتا ہوں
جبینیں اُگے یہاں لالہ و گل بمشکل کہ مٹی میں تاثیر کم دیکھتا ہوں

لیکن جب ایک اولوالعزم نے یہاں آکر ابراہیمی دعاؤں کے ساتھ اس شہر کی بنیادی اینٹ رکھ دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاؤں کو پایۂ قبولیت جگہ دی اور مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود اُس کے قدموں کی برکت سے اس چٹیل اور بنجر میدان میں چند ہی سالوں کے عرصے میں دیکھتے دیکھتے ایک شہر آباد ہو گیا اور پانی کے چشمے بھی جاری ہو گئے۔ اسی شور زمین سے ایسے پھول کھلے کہ ایک زمانہ ان کی خوشبو سے معطر ہو رہا ہے۔ مفلس پہاڑوں کی یہ مفلس اور ویران وادی، گلزار اور آباد ہو گئی! صدیوں سے پیاسی زمین سیراب ہونے لگی۔ "چٹانوں کی انگڑائیوں میں محلے آباد ہوئے"! "اور بہاریں جلوے دکھانے لگیں"! اسی سرزمین میں جہاں لالہ و گل کے جینے کی اُمید بھی نہ تھی! لالہ و گل پنپنے لگے اور وہاں سرو قد بوٹے اُگ گئے ہیں جہاں گھاس کا نام تک بھی نہیں تھا! آبادی میں اضافہ ہوا۔ جہاں سے گزرتے ہوئے لوگوں کے دل دہشت کے سبب اچھلنے لگتے تھے آج وہ دہشت سکینت اور طمانیت میں تبدیل بھی ہو چکی ہے! — گویا اب زمین بھی آباد ہے اور آسمان بھی!!

اس طرح جہاں سنت ابراہیمی و اسماعیلی اللہ تعالیٰ کے منشاء سے دوبارہ جاری ہوئی۔ وہاں ابراہیم ثانی علیہ السلام کی مندرجہ بالا پیشگوئی بھی عظیم الشان طور پر پوری ہوئی۔ اور ربوہ کے قیام کے موقع پر اس کا اعلان بھی اللہ تعالیٰ نے خود حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی زبان مبارک سے کرایا کہ اس الہام کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] پہلے [illegible] کے بعد جو اپریل ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ جب

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود لاہور واپس تشریف لے جا رہے تھے تو حضور پر کشفی حالت طاری ہوئی جس میں حضور نے دیکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

چنانچہ حضور نے لاہور واپس پہنچ کر ۲۲ راپریل ۱۹۴۹ء کو مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں اس شعر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"پاؤں کے نیچے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اسماعیلؑ قرار دیا ہے جس طرح اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے پانی بہہ نکلا تھا اسی طرح خدا تعالیٰ یہاں میری دعاؤں کی وجہ سے پانی بہا دے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے جو محنت کرنے اور دعا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا کہ تا ہمیں پانی مل سکے لیکن ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب خدا تعالیٰ نے میرے منہ سے یہ کہلوایا ہے کہ پانی صرف تیری دعاؤں کی وجہ سے نکلے گا! ہم نہیں جانتے کہ یہ پانی کب نکلے گا؟ اور کس طرح نکلے گا؟ لیکن بہرحال یہ الہامی شعر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہاں (ربوہ میں) پانی کی کثرت ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ"

انشاء اللہ اس شعر میں "حضور" اور "جناب"
دو لفظ اکٹھے کئے گئے ہیں جو عام طور پر
اکٹھے استعمال نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ یہاں
ادب کا پہلو مراد ہے اس لئے یہاں "آپ"
کے لفظ کی بجائے "حضور" اور "جناب" کے
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "بہلنے" سے
مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائے گا۔
اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس
رنگ میں پورا ہو گا۔ ممکن ہے ہمیں نہر سے
پانی مل جائے یا دریا سے پانی لے لیا
جائے یا ہمیں کوئی اور جگہ مل جائے جہاں
پانی ہو۔ اور اس وقت تک ہمیں اس کا
علم نہ ہو۔ بہرحال یہ نہایت ہی خوشکن
الہام ہے اور یہ الہام حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے ایک الہام کی تائید کرتا
ہے جو یہ ہے کہ یَخْرُجُ هَمُّهٗ وَ
غَمُّهٗ دَوْحَةُ اِسْمٰعِيْلَ
(تذکرہ صفحہ ۵۳۹) یعنی خدا تعالیٰ حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے غم اور فکر
اور دعاؤں کی وجہ سے ایک اسماعیلی
درخت پیدا کرے گا ———

وہ دوحۂ اسماعیل میں ہی ہوں۔

(الفضل ۱۸ اگست ۱۹۴۹ء)

(۴)

اب دیکھئے کہ احمدیت کے مرکز ثانی ربوہ کے قیام
سے کس طرح آج سے چار ہزار سال پیشتر رونما ہونے والے
واقعات ایک رنگ میں دھرائے گئے۔ یہ مقام دوحۂ اسماعیل
یعنی اسماعیل ثانی اور اس کی والدہ کا مسکن بنا۔ ان دونوں
مبارک وجودوں کے قدموں کی برکت سے یہاں بھی پانی
کے چشمے پھوٹ پڑے اور بہتے ہوئے پانی کا نظارہ نظر
آنے لگا۔ بلکہ اس شہر کے قیام سے آج سے انیس سو سال پیشتر
رونما ہونے والا ایک واقعہ بھی پھر سے ظاہر ہوا جس کا
قرآن کریم میں اس طرح ذکر آتا ہے۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ
مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ
ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المؤمنون: ۵۱) یعنی ہم نے
ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور ان دونوں
...... کو ربوہ یعنی ایک اونچے مقام پر پناہ دی جو ان
کے لئے قرارگاہ ثابت ہوا اور بہنے والے پانیوں کا مقام
تھا۔ بہتا ہوا پانی آج کل ربوہ میں عام نظر آتا ہے۔ ربوہ
کے قیام کے شروع میں ہی صدر انجمن احمدیہ نے شہر کے شمالی
حصے میں دو ٹیوب ویل نصب کرائے جن میں سے ایک
آج کل بھی افراط سے پانی دیتا ہے۔ جس کے ذریعے سے ربوہ
کے شمالی حصے میں سڑکوں پر خوشنما لہلہاتے ہوئے درخت
نظر آتے ہیں۔ ربوہ کے جنوبی حصے کے لئے امسال ٹاؤن کمیٹی
ربوہ نے ٹاؤن کمیٹی کے ٹیوب ویل واقع دارالرحمت غربی
کے ذریعے سے وسیع پیمانے پر شجرکاری کا پروگرام بنایا ہے
۱۹۴۹ء میں حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے یہ الفاظ
نکلے تھے کہ:-

"خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا
جس کی وجہ سے وہاں (ربوہ میں) پانی کی کثرت ہو جائیگی انشاء اللہ"

حضور کے یہ الفاظ آج "ہم بخیر و خوبی پورے ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور دعا ہے کہ انہیں اور بھی شاندار رنگ میں پورا ہوتے ہوئے دیکھیں۔

مقامی ٹاؤن کمیٹی اب ربوہ کے واٹر ورکس کا انتظام بھی کر رہی ہے۔ جس کی سکیم یہ ہے کہ دریا کے کنارے پر ٹیوب ویلز نصب کئے جائیں۔ اس جگہ کا پانی کیمیائی طور پر کمیٹی کی طرف سے ٹیسٹ کروایا جا چکا ہے اور صحت بخش ثابت ہوا ہے۔ ان ٹیوب ویلز کا پانی واٹر ورکس کی صورت میں انشاء اللہ العزیز تمام شہر میں مہیا کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے ٹاؤن کمیٹی ربوہ سال گذشتہ مختتمہ تیس جون ۱۹۶۴ء میں ایک لاکھ چھتیس ہزار روپیہ محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ لائل پور کو ادا کر چکی ہے۔ اس رقم میں سے نصف حصہ گورنمنٹ سے بطور امداد لیا گیا ہے۔ اور نصف حصہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے بصورت قرضہ و عطیہ حاصل کیا گیا ہے سال رواں یعنی ۶۵-۱۹۶۴ء کے دوران ہی بھی انشاء اللہ ایک لاکھ چھتیس ہزار کی مزید رقم محکمہ متعلقہ کو ادا کر دی جائیگی محکمہ متعلقہ کی طرف سے اس سلسلے میں ابتدائی کام شروع کر دیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متذکرہ الہام کا آخری حصہ یہ ہے کہ:۔

"ایک دانہ کس کس نے کھانا"

اب دیکھ لیجئے یہ قطعہ زمین چند سالوں سے ایک دانے کی صورت میں سطح زمین پر پڑا ہوا تھا جس کو جانور بھی چگنے کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ یہ ایک بے آب و گیاہ میدان تھا۔ لیکن اب ہزاروں ہزار افراد اس دانہ کو کھا رہے ہیں۔ اور اس کے پھلوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب ربوہ باقاعدہ ایک شہر کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ شہر کے بیچوں بیچ ریلوے لائن اور ایک اہم پختہ سڑک گزرتی ہے۔ ڈاک تار، بجلی، ٹیلیفون، ریل، موٹر غرضیکہ سبھی ضروریات کا انتظام موجود ہے۔ ریلوے اسٹیشن کی نہایت عمدہ نئی عمارت گذشتہ سال تعمیر ہوئی ہے۔ کھیل کے میدان، فراخ گلیاں تجارتی مراکز اور کھلے قطعات بکثرت موجود ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے یہ شہر بالخصوص بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ پانچ، چھ پرائمری سکولز کے علاوہ دو ہائی سکولز ہیں۔ ایک لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا۔ اسی طرح دو ڈگری کالج ہیں۔ یعنی تعلیم الاسلام کالج اور جامعہ نصرت برائے خواتین۔ ان دونوں کالجوں میں متعدد مضامین میں آنرز کلاسز جاری ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج میں ایم۔ اے (عربی) کی تدریس کا بھی انتظام ہے۔ اور اسی سال پہلی دفعہ اس کالج کی ایم۔ اے عربی کلاس نے جو گیارہ طلبہ اور طالبات پر مشتمل تھی ربوہ سنٹر میں ہی پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔ اے کا امتحان دیا ہے بعض سائنس کے مضامین میں بھی ایم۔ ایس سی کے اجراء کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسی طرح تبلیغ اسلام کے کام کے لئے مبلغین و مبشرین کو ٹریننگ دینے کے لئے اور جید علماء پیدا کرنے کی خاطر یہاں پر "جامعہ احمدیہ" کی عظیم درسگاہ جاری ہے جس نے بڑی سرعت کے ساتھ گذشتہ سالوں میں ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ جامعہ احمدیہ کے کالج اور ہوسٹل کی پختہ عمارات بھی تعمیر ہو چکی ہیں دور و نزدیک سے کثیر تعداد میں طلباء ربوہ میں دینی و دنیوی تعلیم کے حصول کیلئے

کھچے چلے آتے ہیں۔ اور علوم کے اس سرچشمہ سے فیض یاب ہو کر اپنی علمی تشنگی دور کرنے کا سامان کرتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ربوہ اب جماعت احمدیہ کا ایک عظیم الشان فعّال مرکز ہے۔ تین بڑی انجمنیں خلیفۂ وقت کی زیر نگرانی بیک وقت یہاں کام کر رہی ہیں یعنی

(۱) صدر انجمن احمدیہ جو خلافت کے بعد جماعت کے تمام نظم و نسق پر حاوی ہے۔

(۲) انجمن احمدیہ تحریک جدید جس کے ذمے تمام ممالک بیرون میں اشاعت اسلام کا کام ہے۔

(۳) انجمن احمدیہ وقف جدید جس کے معلمین اندرون ملک میں گاؤں بہ گاؤں، قریہ بہ قریہ علم و حکمت کی شمعیں بلند کر رہے ہیں۔

ان تین انتظامی اور اشاعتی مرکزی اداروں کے علاوہ عورتوں، بچوں، نوجوانوں اور بڑی عمر کے مردوں کی چار مرکزی تنظیمیں بھی یہاں سرگرم عمل ہیں یعنی لجنہ اماء اللہ، مجلس اطفال الاحمدیہ، مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس انصار اللہ۔ ان تمام تنظیموں کی غرض و غایت اور مقصد وحید احیائے دین، اقامت شریعت اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کی تکمیل ہو کہ

یحی الدین و یقیم الشریعۃ

(تذکرہ طبع دوم صد۱۷)

یعنی مسیح موعود دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا۔

ربوہ کی آبادی اب اللہ تعالے کے فضل سے دس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ تجارتی مرکز کے طور پر اگرچہ ابھی زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم چند سالوں کے اندر اندر جس قدر بھی ترقی ہوئی ہے۔ وہ حیرت انگیز ہے۔ ہر قسم کی اشیائے خورد و نوش اور دیگر ضروریات زندگی یہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں (مقامی ٹاؤن کمیٹی کا درآمدی اشیاء پر صرف محصول چونگی کا بجٹ آئندہ سال کے لئے باون ہزار روپے تجویز کیا گیا ہے) ربوہ کی آبادی سے اس کے نواحی پس ماندہ علاقہ کو بے حد فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اور اردگرد کے لوگوں کی اقتصادی تعلیمی اور معاشرتی لحاظ سے گویا کایا پلٹ گئی ہے۔ چند ہی سال کے اندر ربوہ میں جتنی عمارات تعمیر ہوئی ہیں۔ وہ جماعت اور اس کے امام کی اولوالعزمی کا شاہکار ہیں۔ چنانچہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ۔ دفاتر تحریک جدید۔ دفاتر وقف جدید۔ دفتر انصار اللہ مرکزیہ۔ خدام الاحمدیہ مرکزیہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ و عمارات تعلیم الاسلام کالج و ہوسٹل جامعہ احمدیہ۔ جامعہ نصرت۔ مسجد مبارک اور فضل عمر ہسپتال کی عظیم الشان بلڈنگ قابل دید ہیں۔ ایک روزنامہ اخبار الفضل کے علاوہ متعدد ماہنامے اور سہ ماہی رسالہ جات بھی شائع ہو رہے ہیں۔ پانچ ماہوار رسالے اردو کے ہیں اور ایک انگریزی کا۔ اسی طرح تین سہ ماہی رسالے اردو میں ہیں۔ دو انگریزی اور ایک عربی میں۔

دسمبر کے آخر میں جلسہ سالانہ کے ایام میں ربوہ کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی جماعت احمدیہ کے بین الاقوامی مرکز کی حیثیت خاص طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے جماعت کے نمائندگان ابراہیمی آواز پر لبیک کہتے ہوئے الفاظ قرآنی

"وَیَاْتِیْنَکَ سَعْیًا" کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ یہ جلسہ سالانہ اس لحاظ سے ایک نرالا اجتماع ہے کہ تمام مہمانان کے لئے دونوں وقت کھانے کا مفت انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اچھے ہوٹلوں کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ جہاں پر مہمانان کرام اپنے اپنے مزاج و مذاق کے مطابق لذیذ کھانوں سے متلذذ ہو سکتے ہیں۔

جلسہ سالانہ میں ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد شامل ہوتے ہیں۔ مہمانوں کو ٹھہرانے کا انتظام مختلف جماعتی اداروں کی عمارات میں ہوتا ہے ان کے علاوہ ربوہ کا ہر گھر کشتیٔ نوح کی طرح مخلوق خدا سے پُر ہوتا ہے۔ اتنی بڑی تعداد کے لئے چارپائیوں کا انتظام تو مشکل ہوتا ہے، اس لئے ان کی بجائے پرالی مہیا کر دی جاتی ہے۔ جسے بچھا کر مہمان اس کے اوپر بستر لگا لیتے ہیں۔

ان دنوں ربوہ کی فضا خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ندائے "اللہ اکبر" اور جلسہ سالانہ کی دلچسپ علمی دینی تقاریر سے گونج رہی ہوتی ہے۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر علماء و مبشرین مختلف زبانوں میں دنیا کے مختلف ملکوں کے باشندے یا وہاں سے آنے والے مبشرین تقریریں کرتے ہیں۔

ربوہ کے لوکل باشندے سب مہمانان کی خدمت اور دیگر جماعتی کاموں کی سرانجام دہی کے لئے آن ڈیوٹی ہوتے ہیں۔ تمام مہمانوں کو اپنی اپنی فرودگاہوں میں لا کر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے بازوؤں پر اپنی ڈیوٹی کو ظاہر کرنے والے بلے لگائے پھرتے ہیں۔ بیمار مہمانوں کے لئے فضل عمر ہسپتال ۲۴ گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ مہمانوں کے لئے پرہیزی کھانے کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنے کے لئے تین بڑے لنگر جاری کئے جاتے ہیں۔ جن کے کام کا نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ ہزارہا مہمانوں کو یوں تازہ بتازہ کھانا تیار کر کے کھلانے کا شرف اس وقت ربوہ کے سوا شائد دنیا کی اور کسی بھی بستی کو حاصل نہیں ہے۔

جلسہ سالانہ کے علاوہ چھوٹے پیمانے پر اور بھی جماعتی و تربیتی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ عموماً اکتوبر کے آخر میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ، مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، مجلس اطفال الاحمدیہ مرکزیہ، مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے تربیتی اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں۔ جن کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ افراد جماعت میں سچا ایمان پیدا کیا جائے۔ اعمال صالحہ کی رغبت دلائی جائے۔ اسلام کے لئے مالی و جانی نیز ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا والہانہ جذبہ پیدا کیا جائے۔

مارچ اپریل کے مہینوں میں جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ منعقد کی جاتی ہے۔ جس میں مرکزی ادارہ جات اور بیرونی جماعتوں کے نمائندے شرکت کرتے ہیں۔ جماعت کی ترقی کے لئے مختلف تجاویز پر غور کیا جاتا ہے۔ تینوں انجمنوں کے بجٹ آمد و خرچ منظور کئے جاتے ہیں۔ اس مجلس مشاورت کے تمام فیصلہ جات خلیفۂ وقت کے حضور مشورے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کے زیر نگرانی ربوہ میں ایک معیاری رفاہی شفاخانہ "فضل عمر ہسپتال" ایک نہایت شاندار عمارت میں قائم ہے۔ جس میں مردانہ و زنانہ وارڈز۔ بیماروں کے لئے رہائشی کوارٹرز۔ اپریشن تھیٹر۔ ریڈیالوجی اور خون وغیرہ کا امتحان کرنے کا ضروری سامان، ادویات اور

ایمبولنس کار بھی ضروریات مہیا ہیں۔ چار کوالیفائڈ ڈاکٹر طبی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ جماعتی کارکنان کے لئے سوشل ویلفیئر سکیم کے رنگ میں قیمتی ادویات مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ ایک کثیر رقم نادار مریضوں کے علاج پر صرف کی جاتی ہے۔ صرف ٹی۔بی کے مریضوں کی ادویات کا روزانہ خرچ ۳۰-۴۰ روپے تک ہوتا ہے۔ یہ امدادی رقوم صدقات کے رنگ میں مخلصین جماعت ہسپتال کو بھجواتے ہیں۔

مرکز میں دارالضیافت کا ادارہ بھی قائم ہے۔ جہاں پر تحقیق حق کی خاطر آنے والے غیر از جماعت مہمانوں نیز مختلف کاموں کے لئے آنے والے جماعتی مہمانوں کی رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ لنگر خانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے صبح و شام بیسیوں حاجت مندوں میں مفت کھانا تقسیم کیا جاتا ہے۔ یتیم اور لاوارث بچوں کے لئے دارالاقامۃ النصرۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ جس پر ماہانہ ایک زر خطیر خرچ ہوتا ہے۔

ربوہ کے قیام کی ابتدا میں یہاں پر نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی قائم کی گئی تھی جو بعد میں میونسپل کمیٹی بن گئی۔ نئے ملکی انتظام کے تحت اب یہاں ٹاؤن کمیٹی قائم ہے۔ ٹاؤن کمیٹی کے سال رواں کے مجوزہ بجٹ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

بجٹ آمد

اصل مجوزہ آمد	۹۹,۹۰۰ روپے
مشروط آمد بذریعہ حصول قرضہ برائے واٹر سپلائی	۶۸,۰۰۰ "
گزشتہ سال کا بقایا	۳۴۵۷۵ روپے
میزان	۱,۹۲,۴۷۵

بجٹ خرچ

مجوزہ اخراجات	۱,۰۶,۳۳۰ روپے
مشروط اخراجات واٹر سپلائی	۶۸,۰۰۰ "
اختتام سال پر بجت	۱۸۱۴۵
میزان	۱,۹۲,۴۷۵ "

بجٹ خرچ میں سے ۲۵ ہزار روپے نئی کچی پکی سڑکوں کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ اکثر و بیشتر سڑکوں پر کمیٹی کی طرف سے رات کو سٹریٹ لائٹ کا انتظام ہوتا ہے۔ اس پر نو دس ہزار روپے سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ پورا شہر نو علیحدہ وارڈز میں منقسم ہے۔

جماعتی ادارہ جات کے بجٹ جو سراسر اعلائے کلمۃ اللہ اور تربیتی کاموں پر صرف ہوتے ہیں۔ سال بہ سال ترقی کر رہے ہیں۔ جلسہ سالانہ کی تعداد کی طرح ان بجٹوں میں سال بہ سال اضافہ بھی جماعت کی ترقی کا اندازہ کرنے کے لئے بطور تھرمامیٹر ہے۔ سب ادارہ جات اور ذیلی تنظیموں کے مجموعی بجٹ آمد و خرچ ایک کروڑ کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ یہ تمام رقوم جماعت احمدیہ کے افراد اپنی آمدنیوں میں سے معتدبہ حصہ کاٹ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین اسلام کی ترویج کی خاطر مہیا کرتے ہیں۔

تمام دنیا میں اسلامی مبشرین پھیلتے جا رہے ہیں۔ یورپ کے کفر گڑھوں میں مساجد تعمیر کی جا رہی ہیں اور مراکز تثلیث زیر ہو رہے ہیں۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد

ان محمداً رسول اللہ اور اللہ اکبر

کی ندائیں بلند کی جا رہی ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کئے جا رہے ہیں اور بیرونی ممالک میں پھیلائے جا رہے ہیں۔ ربوہ میں ایک نہایت ہی خوشکن نظارہ جو قریباً چند دنوں کے وقفے کے بعد ہی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور بخشتا رہتا ہے۔ وہ مبشرین اسلام کا اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ربوہ ریلوے سٹیشن پر اپنی تبلیغی مہموں کے لئے روانہ ہونا اور مراجعت پذیر ہونا ہے۔ مقامی جماعت کا ایک انبوہِ کثیر ان کے الوداع اور استقبال کے لئے موجود ہوتا ہے۔ جو اللہ اکبر کے نعروں اور دل سے نکلنے والی دعاؤں کے ساتھ مجاہدین اسلام کو خوش آمدید کہتا یا انہیں رخصت کرتا ہے۔

قادیان کے مقبرہ بہشتی کی ظلیت میں ربوہ میں بھی ایک مقبرہ بہشتی قائم ہے مخلصین جماعت جو تقویٰ اور طہارت کے تمام امور پر پنجہ مارنے کے علاوہ اعلائے کلمۃ اللہ و تبلیغ اسلام کی خاطر اپنی ماہوار آمدنیوں اور جائدادوں کے کم از کم دسویں حصہ کی مالی قربانی کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں باقاعدہ وصیت نامہ تحریر کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم کے تحت قائم شدہ نظام وصیت میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور بعد از وفات بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ نظارہ بھی اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ وفات یافتہ موصیوں کی نعشیں مختلف شہروں بلکہ مختلف ملکوں سے تابوتوں کے اندر بند ہو کر مرکز میں پہونچتی ہیں اور مقامی جماعت نماز جنازہ اور ان کی تدفین میں حصہ لیتی ہے اور وہ مقبرہ بہشتی میں حسب وصیت دفن کئے جاتے ہیں۔ یہ نظام وصیت آنے والے عظیم الشان عالمگیر "نظام نو" کے لئے بمنزلہ ایک بیج ہے۔ جب یہ بیج ایک بلند اور وسیع درخت کی شکل میں تمام روئے زمین کو اپنی آغوش میں لے گا۔ تو اس کی برکات اور شادابی اور ثمرات آنکھوں کو خیرہ کر دیں گے۔ اور

یعجب الزرّاع لیغیظ بھم الکفار (الفتح ۳۰)

کا نظارہ پیش کرے گا۔ دنیا کی تمام اقتصادی مشکلات انشاء اللہ اس کے ذریعہ سے حل ہو جائیں گی۔ دنیا کی مشکلات کا حل نہ سرمایہ داری کے نظام میں ہے نہ ہی اشتراکیت میں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسی نظام سے وابستہ ہے جس کی ترویج بیک وقت آج کل خلیفۃ المسیح کے زیر نگرانی قادیان اور ربوہ سے ہو رہی ہے۔

ربوہ میں دو اشاعتی ادارے یعنی الشرکۃ الاسلامیہ اور اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن قائم ہیں۔ جن کے ذریعہ سے جماعت کا اردو اور انگریزی لٹریچر خصوصاً حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب و ملفوظات نیز خلفاء کی تصنیفات خصوصاً تفسیر کبیر و تفسیر صغیر اسی طرح سے انگریزی تفسیر قرآن و ترجمۃ القرآن و تصنیفات قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ نیز علمائے سلسلہ کی تصنیفات اکناف عالم میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ مرکزی خلافت لائبریری بھی قابل ذکر

ہے جس میں ہر قسم کی دینی و علمی کتب سے آسانی کے ساتھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مرکزی لائبریری کے علاوہ ادارہ جات کی لائبریریاں الگ بھی موجود ہیں۔ ربوہ کے تعلیمی ادارہ جات میں غیر ملکی طلباء کی ایک معقول تعداد بھی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنی زندگیاں دین کی راہ میں وقف کی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ واقفین دینِ اسلام کی تبلیغ کی خاطر مرکز سلسلہ میں رہ کر اپنے آپ کو علمی و دینی دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح کر رہے ہیں۔

شہر میں رہائشی مکانات اور دیگر عمارات بڑی سرعت سے تعمیر کی جا رہی ہیں۔ گزشتہ سالوں میں ٹاؤن کمیٹی کے ہاؤس ٹیکس کی سالانہ آمدنی بیس ہزار کے لگ بھگ رہی ہے۔ یہاں کی عمارات میں تعلیم الاسلام کالج فضل عمر ہسپتال دفاتر صدر انجمن و تحریک جدید کے علاوہ مسجد مبارک، یادگاری مسجد (واقع فضل عمر ہسپتال) اور مسجد محمود خاص طور پر قابل دید ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ

وسّع مکانک

(تذکرہ طبع ثانی ص ۳۰۲)

یعنی تو اپنے مکانوں کو وسیع کرتا رہ۔ چنانچہ اس الہام کی صداقت ہر سال ہی ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر و باہر نظر آتی ہے۔ جب جماعت کے ادارہ جات کی موجودہ عمارات جماعتی ضروریات کے لئے ناکافی ثابت ہوتی ہیں اور ان میں توسیع کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے تعلیم الاسلام کالج کا نیا کیمپس ایک وسیع و عریض خطہ زمین پر زیر تعمیر ہے۔ مسجد اقصیٰ کی وسیع عمارت کی تعمیر بھی امسال پیش نظر ہے۔ ایک مخیر دوست نے اس کے لئے ایک لاکھ روپے کا خطیر عطیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مسجد انشاء اللہ اتنی وسیع ہوگی کہ جلسہ سالانہ بھی اس میں منعقد ہو سکے گا۔ خدام الاحمدیہ اپنے دفتر کے وسیع و عریض ہال کا عزم کئے ہوئے ہیں جس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے۔

ربوہ کی ایک نمایاں خصوصیت جو اسے پاکستان کے تمام دیگر بڑے شہروں اور قصبات سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ یہاں سینما گھر کوئی نہیں۔ خاکسار راقم الحروف کے سامنے لاہور کے ایک کالج کے ایک پروفیسر صاحب نے اس بات کا اظہار کیا کہ چونکہ ربوہ میں سینما گھر کوئی نہیں۔ اس لئے بہت ہی خشک اور غیر دلچسپ زندگی ہوگی جو آپ لوگ وہاں گزار رہے ہیں۔ خاکسار نے اس کی تردید کی اور کہا کہ آپ کو کس نے بتایا کہ ربوہ کی زندگی دلفریب نہیں۔ ہم تو ربوہ کی زندگی سے اس حد تک مانوس ہو چکے ہیں کہ لاہور آ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور یہ آپ کو کس نے بتایا ہے کہ ربوہ میں کوئی سینما گھر نہیں۔ اہالیان ربوہ بہت زندہ دل ہیں۔ ہر محلے میں ایک "سینما گھر" ہے۔ جہاں پر دن رات میں پانچ دفعہ روحانی فلم دکھائی جاتی ہے۔ اور جہاں مومنین محبوب ازلی کا حسین چہرہ دیکھ کر پانچ دفعہ متلذذ ہوتے ہیں۔ ہاں ایسی لذت سے ہمکنار ہوتے ہیں کہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

یہ بھی عجیب تصرف الٰہی ہے کہ ہمارے مرکز

کا نام ہی ایسا تجویز ہوا جس سے خاص طور پر

وَآوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ
قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المومنون ۵۱)

کا مخصوص نظارہ دوبارہ دنیا کی نظروں کے سامنے
آگیا۔ اور ۱۹ سو برس کے بعد ایک دفعہ پھر اللہ تعالیٰ
نے ایک مسیح نفس انسان کو اپنی والدہ ماجدہ
سمیت اپنے اصلی وطن سے کس مپرسی کے عالم میں
ہجرت کے بعد ایک اونچے مقام (ربوہ) پر پناہ
دی۔

(۴)

جماعت کے اس نئے مرکز کا قیام حضرت
امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز
کی اولوالعزمی کا شاہکار ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت
کے بعد جماعت کو ایک ایسا خطرناک دھکا لگا تھا
کہ جماعت کے کاموں کا جاری رہنا مشکل نظر آتا
تھا۔ خاص طور پر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تعلیم الاسلام
کالج کے جاری رکھنے کے متعلق تمام اراکین جماعت
بشمول قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب
رضی اللہ تعالیٰ کی یہ رائے تھی۔ کہ موجودہ حالات
میں یہ کالج جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر حضور
ایدہ اللہ تعالےٰ نے اس رائے کو سختی سے رد کر
دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو پیسوں کی فکر ہے۔
پیسے اللہ تعالےٰ خود مہیا کرے گا۔ (مفہوماً) چنانچہ
تعلیم الاسلام کالج بھی جاری رہا۔ اور جماعت کے
باقی ادارہ جات بھی جاری رہے۔ بلکہ موجودہ صورت
میں وہ پہلے سے بہت بڑھ کر ترقی یافتہ ہیں فالحمد للہ
علیٰ ذالک۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ

"خدا تعالےٰ نے اس عاجز پر ظاہر
کیا کہ دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس
کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے
کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔
یخلق اللہ ما یشاء"

(سبز اشتہار مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

یہ مصلح موعود کی اولوالعزمی کا ہی کرشمہ
ہے کہ ایسے عظیم مالی بحران کے وقت میں آپ نے
جماعت کے نئے مرکز کی بنیاد رکھی۔ اور پھر چند
سال میں اسے آباد کرکے دکھا دیا۔ سب سے
پہلا مرحلہ جگہ کے انتخاب اور زمین کے حصول کا
تھا۔ جو اپنی ذات میں ایک نہایت کٹھن معاملہ تھا۔
ابتدا میں اس جگہ صرف چند خیمہ جات نصب کئے
گئے۔ اور صدر انجمن احمدیہ (بمقام لاہور) کی ایک ظلی
انجمن یہاں قائم کردی گئی۔ اس کے بعد تمام دفاتر
اور ان کے کارکنان کچے کمروں اور مکانوں میں یہاں
منتقل ہوگئے۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ
و حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی انہیں
کچے مکانوں میں رہائش پذیر ہوئے۔ اس کے بعد
تیسرا مرحلہ موجودہ پکے مکانات کی تعمیر کا تھا۔ یقیناً
یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ جو اس زمانہ میں
رونما ہوا اور پیشگوئی مصلح موعود کے الفاظ (بقیہ صفحہ ۲۵)

لطف الرحمٰن محمود

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا روح پرور منظوم کلام اور اُس کے اجزائے ترکیبی

اسلام اور شاعری

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کے پیش کردہ ضابطۂ حیات میں ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون کے لئے ہدایت اور راہنمائی موجود ہے۔ شاعری کے بارے میں بھی اسلام نے راہنمائی فرمائی ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص فطری استعداد اور داخلی اور جذباتی زندگی اور ذہن کی نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ہے۔ سورۃ نمل میں (آیات ۲۲۵ تا ۲۲۸) میں شاعروں کی دو اقسام بیان فرمائیں۔ اوّل الذکر شعراء کی مذمت کی ہے مگر مؤخر الذکر شعراء کو سراہا ہے۔

"بُرے شعراء" کی مندرجہ ذیل تین صفات بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ خود گمراہ ہیں اور اُن کی پیروی کرنیوالے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بے مقصد وادیوں میں سرگرداں و آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ اُن کے کوئی معین اُصول نہیں۔ نہ زندگی کا واضح تصور ہے۔

۳۔ اُن کے قول اور فعل میں مطابقت نہیں۔

جن شعراء کو اسلام نے پسند کیا ہے اُن کی۔۔۔ مندرجہ ذیل خصوصیات بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ وہ مومن ہوتے ہیں۔ اُن کے ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں۔ زندگی کا ایک واضح تصور اُن کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔

۲۔ اُن کے کلام کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے۔

۳۔ خدا، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کے لئے سچی غیرت رکھتے ہیں اور مخالفِ اسلام مواد کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دَور میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جب اس دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے تو خود حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں دعا فرماتے "اللّٰھم ایّدہ بروح القدس" (اے اللہ اس کی روح القدس سے تائید فرما) حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ اشعار موزوں فرمائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے سخنوری کی فطری استعداد کی مذمت نہیں کی بلکہ اس جوہر

کے غلط استعمال کو ناپسند فرمایا ہے لیکن اچھی شاعری کو سراہا ہے کیونکہ سبیلِ حق کی طرف موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت اعمالِ صالحہ میں شامل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام

اسلامی تاریخ ادبیات میں ایسے شعراء کا وجود مل جاتا ہے جنہوں نے قرآنِ مجید کے بتائے ہوئے طریق کار کو اختیار کرکے اپنے کلامِ موزوں سے دین کی تائید کی موجودہ زمانے میں جماعتِ احمدیہ کے مقدس بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام نے محض اشاعتِ حق کے لئے کلامِ موزوں کو بھی ایک وسیلے کے طور پر اختیار فرمایا۔ خود فرماتے ہیں ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

لیکن حُسنِ اتفاق ہے کہ اس طرح بالکل ایک نئی قسم کی خالص دینی اور اسلامی شاعری ظہور میں آئی جو اُردو بلکہ دوسری زبانوں کے لئے بھی ایک نئی چیز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے الہاماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔

"در کلام تو چیزیست کہ شعراء را دراں دخلے نیست!!"

اس کا مطلب یہی ہے کہ حضور کا کلام عام شاعرانہ کلام نہیں بلکہ روح القدس سے تائید یافتہ انسان کے نفحاتِ طیبات ہیں۔ یہ کلام خدا۔ رسولؐ۔ اسلام اور قرآن کے عشق کی خوشبو سے بسا ہوا ہے۔ یہی کیفیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بلند پایہ منظوم کلام کی ہے

میرا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مثیل اور نظیر خلیفہ کو "شاعر" کی حیثیت سے جانچنا ایک گستاخی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقدس مشن ادب کی کوئی تحریک نہیں بلکہ اسلام اور شریعت کی تجدید احیاء اور اشاعت ہے۔ اور یہی آپ کے خلفاء کا کام ہے۔ اسی مقصد کے لئے حضور ایدہ اللہ دو دو سالہا سال سے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی۔ نیابت اور خدمت ایسا بڑا اعزاز ہے کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کا بڑے سے بڑا اعزاز کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسی شخصیت اگر اسلام کی تائید کے لئے شاعری کو ایک ذیلی وسیلے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ تو خود شاعری کے لئے مقامِ فخر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم و تربیت رشد و اصلاح اور قیادت و امارت کے فرائض سرانجام دینے اور ابلاغِ حق کے لئے شاعری کو ذیلی وسیلے کے طور پر اختیار فرمایا ہے۔ اس لئے حضور کو پیشہ ور شعراء کے زمرے میں شامل کرنا ظلم ہے۔ یہاں منزل۔ مقصد اور طریق کار کا اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے حضور کے کلام میں خاص عناصر ظاہر ہوئے ہیں۔ اور اس مضمون میں راقم انہی اجزائے ترکیبی کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ حضور نے واضح اور معین مقصد کو مدِّنظر رکھ کر اشعار کہے ہیں مگر حضور کی مقصدی شاعری میں شعریت کے جملہ محاسن موجود ہیں۔ یہ حضور کا کمال ہے ورنہ مقصدی۔ تربیتی اور تبلیغی شاعری میں اکثر شعریت مقصدیت کے بوجھ کے نیچے دب کر کُچلی جاتی ہے۔ میرے

غرضیکہ احمدیت نے جس شاعری کی بنیاد ڈالی ہے وہ تاریخ ادبِ اُردو کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کی پوری اہمیت کا جائزہ لینے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ ہمیں اردو شاعری پر ایک نظر ڈالنا ہوگی۔

اُردو شاعری پر ایک نظر
اور
احمدیت کی پیشکردہ شاعری کی اہمیت

اردو شاعری کی بنیاد فارسی شاعری کی تقلید پر ہے اس تقلید کی وجہ سے فارسی شاعری کے معنوی عیوب بھی بعض محاسن کے ساتھ اس کے رگ وپے میں سرایت کر چکے ہیں۔ امرد پرستی کے متعلق متبذّل مضامین قصیدے کی خوشامد اور مبالغہ آمیزی یہ سب کچھ فارسی سے آیا تصوف اور فلسفہ بھی مثنویات کے روپ میں یہاں آیا اور اردو میں مثنویات کا سہارا لے کر اُبھرا بھی۔ اُردو کی تاریخ مختصراً یوں بیان کی جاتی ہے کہ فوجی اور معاشی ضروریات کے پیشِ نظر زبانِ اردو نے بازاروں اور لشکر گاہوں میں جنم لیا۔ صوفیاء کی خانقاہوں میں بچپن بسر کیا۔ اور عیّاش بادشاہوں اور نوّابوں کے درباروں میں اپنے شباب کو پہنچی۔ اس درباری نظام کے دورِ نشو ونما میں اُردو شاعری کو اخلاقی لحاظ سے شدید نقصان بھی پہنچا۔ میر۔ درد اور سودا کے زمانے میں ابتذال اور رکاکت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے کیونکہ شعراء نے درباری نظام کو اپنے اعصاب اور دل و دماغ پر مسلط کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔ اس دور کے بعد تو شعراء مکمل طور پر درباروں کے غلام بن گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہی کچھ کہنا پڑا جو عیّاش نوّابوں اور ان کے نفس پرست مصاحبوں کو مرغوبِ خاطر تھا۔ ہر دربار میں نہایت گندے اور لچر اشعار کے پلندے تیار ہونے لگے۔ بدترین مظاہرہ دربارِ لکھنؤ نے کیا۔ جہاں دربارِ دہلی کے "ریختہ" کے مقابلے پر "ریختی" نے جنم لیا۔ اس لکھنویت کی تحریک نے جرأت کی ناپاک معاملہ بندی انشاء کی فضول پھکڑ بازی اور رنگین، جان صاحب وغیرہ کی شرمناک نسوانیت کے ملاپ سے عریانیت اور شہوانی افکار کا ایک متعفّن دفتر ظہور میں آیا۔ اردو شاعری کی تاریخ کا یہ باب انتہائی تاریک ہے۔ اور مصیبت یہ ہے کہ یہ زہر اُردو شاعری کے بدن میں سرایت کر گیا۔ بدترین ابتذال اور رکاکت کے علاوہ تصنّع اور تکلّف نے اور بھی بدمزگی پیدا کر دی۔ "خالد" کے صفحات اور اس مضمون کی نوعیت اس قسم کی مثالیں پیش کرنے میں مانع ہے۔ قصہ مختصر اردو شاعری اس ڈگر پر رواں دواں رہی۔ اس ناپاک سیلِ عظیم کے سامنے مرثیہ گوئی کا بند غنیمت ہے جس میں شہدائے کربلا کی محبت مرکزی نقطہ تھی۔ مگر رفتہ رفتہ یہ چیز بھی لکھنوی تہذیب اور کلچر کا مرقع بن گئی۔ ان مراثی اور بعض اور اصنافِ سخن کو چھوڑ کر تقریباً باقی اردو شاعری کی ساری کائنات پر امرد پرستی یا طوائف پرستی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد درباروں کے وہ ٹھاٹھ نہ رہے۔ دلّی تو اُجڑ گئی۔ اس سے پہلے ۱۸۵۶ء میں

لکھنؤ بھی غارت ہوا۔ پھر انگریزی تعلیم کے اثرات سے اردو ادب متاثر ہوا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے اجراء (۱۸۰۰ء) سے اردو نثر کی اصلاح کا آغاز ہوا۔

اردو شاعری میں اصلاح اور تطہیر کی ٹھوس کوشش کا آغاز لاہور سے ہوا۔ ۱۸۷۴ء میں کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر تعلیمات پنجاب کے ایماء پر مولانا محمد حسین صاحب آزاد اور مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے "انجمن پنجاب" کی بنا ڈالی۔ اس انجمن کی طرف سے یہ تحریک چلائی گئی کہ اردو شاعری کو ابتذال، رکاکت، تکلف اور تصنع کے چنگل سے آزاد ہونا چاہیئے۔ اس کا اچھا خاصا اثر ہوا۔ مناظر قدرت، حب وطن اور دیگر موضوعات پر نظمیں لکھی جانے لگیں۔ مولانا حالی مرحوم نے "مسدس مد و جزر اسلام" رقم فرمائی جو زوالِ اسلام کا ایک دردناک مرثیہ ہے۔ جو اردو شاعری میں اصلاحی نقطہ نظر سے بھی خاص اہمیت کی چیز ہے۔

احمدیت کی پیش کردہ شاعری

اسی دورِ تجدد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دینی، تبلیغی اور تربیتی شاعری کی بناء ڈالی۔ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ ماموریت سے قبل کا کلام بھی مطبوعہ ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق کے مطابق حضرت اقدسؑ کا سب سے پہلا منظوم کلام جو معین تاریخ کے ساتھ ہے ۱۸۷۳ء کا فارسی کلام ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی نے اپنی کتاب "حیاتِ احمد" میں حضورؑ کے ابتدائی مقدمات کی یادداشتوں میں ایک منظوم دعا حضورؑ ہی کے رسم الخط میں شائع کی ہے جو مئی ۱۸۷۱ء کی ہے۔ (حیاتِ احمد جلد اوّل جزو ۳ ص۵)۔ اسی طرح اس کتاب میں مولوی اللہ دتا صاحب کے نام حضورؑ کا ایک منظوم خط بعنوان "مکتوب در مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی درج ہے۔ جو ۸ ستمبر ۱۸۷۲ء کا ہے۔ دعویٰ ماموریت سے قبل کے کلام کا مجموعہ ۱۹۱۶ء میں "درِّ مکنون" کے نام سے شائع ہوا۔ حضرت عرفانی صاحبؓ کے نزدیک یہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۶ء تک کا کلام ہے۔ (حیاتِ احمد ج ا جزو ۲ ص۴۹) اور مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے نزدیک یہ مجموعہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کے کلام پر مشتمل ہے (تاریخ احمدیت ج ا ص۱۷۶) درِّ مکنون کی منظومات پر بھی دینی اور مذہبی رنگ غالب ہے۔ "حمدِ حق تعالیٰ"۔ "تعریفِ سالکاں" — "در تردید شرک" — "مناظرہ با ہندو" — "نصیحت در ترکِ دنیا" — "بے ثباتی دنیا" — "نعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم" — "حالِ اولیائے کرام" وغیرہ مضامین نظم فرمائے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اس جدید شاعری کی بنیاد دراصل ۱۸۷۱ء میں رکھی۔ جہاں تک زبانِ اردو میں مشہور منظوم کلام کا تعلق ہے ہمیں حضرت اقدسؑ کی پہلی مطبوعہ نظم ۱۲ جنوری ۱۸۷۵ء کی ملتی ہے جو اخبار "منشورِ محمدی" میں "نیاز نامہ جواب الجواب" کے عنوان سے شائع ہوئی جو الحکم جلد ۴ نمبر ۸ ۱۱ ماہ مئی ص۴ پر دوبارہ شائع ہوئی۔ براہینِ احمدیہ حصہ دوم (مطبوعہ ۱۸۸۰ء) سے اردو منظومات شریکِ کتاب ہونا شروع

ہو گئیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام کے کلام میں اللہ تعالیٰ، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید، صحابہ کرامؓ سے محبت۔ اسلام کا درد۔ مخالفین اسلام پر حجت۔ پیشگوئیاں۔ دلائل صداقت۔ انذار و تبشیر، تشکر و امتنان اور دعا و التجا پر مشتمل مضامین ایک خاص انداز سے نظم فرمائے گئے ہیں۔ تکلف سے بری اور تصنع سے منزہ۔ صداقت اور خلوص سے لبریز۔ سادگی کے حسن تام کے ساتھ!! اس انداز کا متنوع تجربہ اردو شاعری کے لئے بالکل نیا تھا۔ بہرحال حضرت اقدس علیہ السلام سے زبان اردو کو بھی فیض پہنچا۔ اردو تو جماعت احمدیہ کے نزدیک عربی کے بعد مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربی کے علاوہ بکثرت اس زبان میں حضرت اقدسؑ سے خطاب کیا اور الہامات نازل فرمائے۔ ہمارا تو دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل عربی کے علاوہ اردو کو بھی دائمی زندگی میسر آئی ہے۔ اس لحاظ سے اردو کو بھی حضرت اقدسؑ کے وجود باجود سے فیض پہنچا ہے۔ اور غیر متعصب علمی طبقہ اس کا معترف بھی ہے مثلاً آگرہ میں منعقد ہونے والی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (منعقدہ ۱۹۱۳ء) ایک مقالے میں ان شخصیات کا ذکر کیا گیا جنہوں نے زبان اردو کی ترقی اور اصلاح میں نمایاں کام کیا۔ مولانا آزاد اور سر سیدؔ وغیرہ معماران اردو کے ساتھ حضرت اقدسؑ کی خدمات کا اعتراف بھی کیا گیا۔

(ملاحظہ ہو رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۱۳ء)

اب احمدیت کی یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ اور جزائر میں ترقی کے ساتھ ساتھ زبان اردو بھی ترقی کر رہی ہے۔ ہر نیا مخلص احمدی بانی جماعت کے مقدس لٹریچر کو اصل زبان میں بھی پڑھنے کی تڑپ رکھتا ہے اس طرح احمدیت کو اردو کی خدمت کا موقع ملتا رہے گا اس ترقی کے آثار ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ ربوہ میں بعض افریقی۔ انڈونیشی۔ چینی۔ جاپانی۔ ترکستانی اور یورپین طلبہ کو اردو بولتے اور لکھتے راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔۔۔ آمدم برسر مطلب جس پاکیزہ شاعری کی حضرت مسیح موعودؑ نے بنیاد ڈالی ہے وہ اردو کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم ترین کڑی "کلام محمود" ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا منظوم کلام ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اس مجموعہ پر ایک نظر ڈالنا زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔

کلام محمود

حضور نے پہلی نظم پندرہ برس کی عمر میں ۱۹۰۴ء میں رقم فرمائی۔ اس وقت سے لیکر اب تک کا صرف مطبوعہ منظوم کلام ہی "کلام محمود" میں موجود ہے۔ یہ مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں وہ منظومات ہیں جو حضور نے خلافت سے قبل رقم فرمائیں۔ ان کی تعداد ۴۵ ہے۔ حصہ دوم میں وہ منظومات ہیں جو حضور نے انتخاب خلافت کے بعد ارشاد فرمائیں۔ ان کی تعداد ۱۴۸ ہے جن میں تین منظومات عربی میں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے حصے میں ۳۰ قطعات بھی ہیں۔ کچھ اشعار

اور مصرعے الہامی بھی ہیں۔ حصہ اوّل میں ۱۰۴۰ اشعار
ہیں اور دوسرے حصہ میں ۱۹۴۵۔ اس طرح کُل اشعار
۲۹۸۵ بنتے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے دوسرے شعراء
کے مقابل پر یہ اتنی زیادہ تعداد بھی نہیں۔ "والمیکی"
کی "رامائن" ۴۸۰۰۰۔ فردوسی کا شاہنامہ "۶۰۰۰۰"
ورجل کی "ای نیڈ" ۱۰۰۰۰، اور ہومر کی "ایلیڈ"
۱۶۰۰۰، اور اردو میں انیس کا مجموعہ کلام مرثیوں،
سلام، قطعات اور رباعیات سمیت لاکھ دو لاکھ اشعار
سے کم نہ ہوگا مگر کمیت اصل چیز نہیں کیفیت پر دارومدار
ہے۔ اپنے اشعار کے متعلق اس جگہ حضور ہی کا ارشادِ
گرامی پیش کرنا زیادہ مناسب ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"(۱) میں کسی نظم کو شاعری کے شوق
میں نہیں کہتا ہوں بلکہ جب تک ایک
خاص جوش پیدا نہ ہو۔ نظم کہنا مکروہ
سمجھتا ہوں۔ اس لئے درد دل سے
نکلا ہوا کلام سمجھنا چاہیئے۔

(۲) بعض دفعہ نظم نامکمل صورت میں
پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے
تا کہ لوگ دیکھیں کہ شاعری کو بطور پیشہ
نہیں اختیار کیا گیا بلکہ جب کبھی قلب پر
کیفیت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا اظہار
کیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ خیال نہیں
ہوتا کہ اس کو مکمل بھی کیا جائے۔

(۳) چونکہ میں تکلف سے شعر نہیں کہتا
ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے۔ پڑھو
اور غور کرو خدا کرے یہ درد بھرے
کلمات کسی سعید روح کے لئے مفید
اور بابرکت ہوں۔"

(پیش لفظ "کلام محمود")

حضور کے اس بیان سے اس کلام کی ماہیت
پر گہری روشنی پڑتی ہے شاعری پیشہ نہیں بلکہ اس کا
محرک خاص جوش اور دردِ دل ہے۔ تکلف، تصنع
اور آورد نہیں بلکہ بے ساختگی۔ صداقت اور آمد ہی
آمد ہے۔ پھر ابتذال کا نشان تک نہیں ملتا۔ پاکیزگی
اور لطافت کے عناصر مکمل طور پر موجود ہیں لفاظی نہیں
سلاست اور شگفتگی ہے۔ چونکہ بات دل سے نکلتی ہے
اس لئے دل پر ہی جا کر گرتی ہے۔ اعمالِ صالحہ اور
خلوصِ نیّت کے مخفی اثرات قاری کے دل و دماغ پر
ان کی تاثیر میں اضافہ کرتے ہیں۔ اقبال کی شاعری بھی
مقبول ہوئی ہے مگر اس کے پیچھے اعمالِ صالحہ کی قوتِ
متاثرہ نہیں جیسا کہ خود انہیں بھی اعتراف ہے۔ مولانا
عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط (مرقومہ ۱۷ ۴/۲۲)
میں لکھتے ہیں:۔

"میرے کلام کی مقبولیت محض فضلِ ایزدی
ہے ورنہ اپنے آپ میں کوئی ہنر نہیں
دیکھتا اور اعمالِ صالحہ کی شرط بھی
مفقود ہے۔"

(اقبال نامہ حصہ اوّل صفحہ ۲۳۵)

مگر حضور کے ہاں جملہ محاسنِ شعر کے علاوہ قرآن مجید
کی بیان کردہ اسلامی شاعری کی بنیادی خصوصیت یعنی

مقبول اعمالِ صالحہ کی توفیق متاثرہ پورے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

حضور کی شاعری کے عناصر

'کلام محمود' پر ایک طائرانہ سی نظر سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں وہی عناصر موجود ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں عشق الٰہی، عشق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مجید اور اسلام، اور اسلامی شعائر سے محبت۔ اسلام اور اشاعتِ اسلام کا درد۔ پھر جا بجا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت اور خصوصاً نوجوانوں کو دعوتِ عمل دی ہے خلیفۃ المسیح ہونے کی حیثیت سے حضور پر جو اہم ذمہ داری خدا، رسولؐ اور جماعت کی طرف سے عاید ہوتی ہے یعنی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت اور امامت و قیادت اسکو منظوم کلام کے ذریعے بھی سرانجام دیا ہے!

اس ضروری تمہید کے بعد اب میں حضور کے بلند پایہ کلام سے بعض مثالیں پیش کر کے حضور کے منظوم کلام کے اجزائے ترکیبی کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

عشقِ الٰہی

اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کوئی نئی چیز نہیں۔ اردو شاعری میں صوفیاء کی شاعری میں بھی یہ عنصر موجود ہے۔ ان اصحاب نے بھی ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت کا اظہار کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان کا ذکر جس طرح احمدیت کی پیش کردہ شاعری میں ہوا ہے وہ متصوفانہ شاعری کی نسبت زیادہ واضح ہے کیونکہ متصوفانہ شاعری محبتِ الٰہی کے مقابل پر 'ہمہ اوست'، جبر و قدر، فلسفۂ خیر و شر وغیرہ موضوعات زیادہ موجود رہتے ہیں جس کی طرف میں میر دردؔ کی شاعری کے ضمن میں اشارہ کر چکا ہوں۔ لیکن احمدیت کی دینی شاعری میں عشقِ الٰہی کا عنصر ہی غالب ہے۔

حضور کے مجموعۂ کلام کی سب سے پہلی نظم "رضاء الٰہی کی طلب" سنہ ۱۹۰۴ء کی ہے جو ویسے بھی حضور کی شاعری کا نقطۂ آغاز ہے۔ تیرہ چودہ سال کے طفلِ مکتب کے خیالات اور احساسات کی نوعیت سے ماہرینِ تعلیم اور ماہرینِ نفسیات خوب واقف ہیں مگر آپ نے اس نظم میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اُس سے جہاں آپ کے کلام کے ..... دیگر مندرجات پر بھی روشنی پڑتی ہے وہاں آپ کے تقوی اللہ۔ فطری سعادت۔ دینِ اسلام کی خدمت کے لئے تڑپ، خدا اور رسولؐ سے عشق اور خلوص و ولولہ اور جوشِ عمل کو بھی نمایاں کر دیتی ہے ان تمام عناصر کے پیچھے محبتِ الٰہی کا جذبہ کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حضور کی اس پہلی نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمارِ عشق ہوں تو دے تو شفا مجھے

جب تک کہ دم میں دم رہے اس دیں پہ رہوں
اسلام پر ہی آئے جب آئے قضا مجھے

بیکس نواز ذات ہے تیری ہی اے خدا
آتا نظر نہیں کوئی تیرے سوا مجھے
تیری رضا کا ہوں میں طلب گار ہر گھڑی
گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے
ہاں ہاں نگاہِ رحم ذرا اس طرف بھی ہو
بحرِ گنہ میں ڈوب رہا ہوں بچا مجھے
موسیٰؑ کے ساتھ تیری رہیں لن ترانیاں
زنہار میں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے
سجدہ کناں ہوں در پہ ترے اے مرے خدا
اُٹھوں گا جب اُٹھائے گی یاں سے قضا مجھے
(ص۱)

اس کے بعد یہ رنگ وقت کے ساتھ ساتھ اور پختہ ہوتا جاتا ہے۔

۲۳- مئی ۱۹۰۷ء کی ایک غزل ہے "ربِّ ودود کی یاد" جس کا عنوان ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

اپنا چہرہ کہیں دکھلائے وہ ربّ العزّت
مدتوں سے ہے یہی دل میں تمنّا ہم کو
کچھ نہیں فکر لگائی ہے خدا سے جب لَو
گو سمجھتا ہے بُرا اپنا پرایا ہم کو
تجھ پہ ہم کیوں نہ مریں اے مرے پیارے کہ ہے تُو
دولت و آبرو و جان سے پیارا ہم کو
دل میں آ کے تری یاد نے اے ربِّ ودود
بارہا پہروں تلک خون رُلایا ہم کو
(ص۱۹)

۲۶- ستمبر ۱۹۰۷ء کی ایک نظم میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ محبت کا محرک حُسن یا احسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا سرچشمہ یہ دونوں محرکات ہیں۔ ان اشعار میں خاص طور پر حضور نے اُن احسانات کو یاد کیا ہے جن کی بارش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل حضورؓ کی آل اور جماعت پر خصوصیت سے ہو رہی ہے ؎

ندائے دوست آئی کان میں کیا ٭ کہ پھر جاں آ گئی اک نیم جاں میں
کریں کیونکر نہ تیرا شکر یاربّ ٭ کہ تُو نے لے لیا ہم کو اماں میں
ہر اک رنج و بلا سے ہم ہیں محفوظ ٭ مصیبت پڑ رہی ہے گو جہاں میں
کہاں ہے لالہ و گل میں وہ ملتی ٭ جو خوبی ہے مرے اس دلستاں میں
(ص۲۳)

اسی طرح ۲۷ نومبر ۱۹۲۲ء کی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

میرے مولیٰ مری بگڑی کے بنانے والے
میرے پیارے مجھے فتنوں سے بچانے والے
مجھ سے بڑھ کر ہے مرا فکر تجھے دامنگیر
تیرے قربان مرا بوجھ اُٹھانے والے
(ص۵۷)

ان اشعار سے محسوس ہوتا ہے کہ محبت رسمی نہیں بلکہ اس کی جڑیں ذاتی تعلقات اور احسانات کی دائمی شیریں یادوں سے وابستہ ہیں۔

۲۵- جون ۱۹۰۸ء کی نظم "عشقِ الٰہی" میں فرماتے ہیں ؎

خاک میں مل کر ملیں گے تجھ سے یارب ایک دن
درد جب حد سے بڑھے گا تو دوا ہو جائے گا
ہیں درِ مالک پہ بیٹھے ہم لگائے ٹکٹکی
حال کبھی تو اپنا نالہ بھی رسا ہو جائے گا
(ص ۱۲۵)

۲۱۔ ستمبر ۱۹۰۸ء کی "مناجات بدرگاہِ ایزدی" میں بڑے درد سے اللہ تعالیٰ کو پکارا ہے۔ اس مناجات کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

ہاتھ جوڑوں یا پڑوں پاؤں بتاؤ کیا کروں
دل میں بیٹھا ہے مگر آتا نہیں مجھ کو نظر (صفحہ ۳۰)

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کی ایک غزل کے یہ اشعار دیکھئے ؎

وہاں ہم جا نہیں سکتے یہاں وہ آ نہیں سکتے
ہمارے درد کا کوئی بھی درماں ہو نہیں سکتا
چھپیں وہ لاکھ پردوں میں ہم ان کو دیکھ لیتے ہیں
خیالِ روئے جاناں ہم سے پنہاں ہو نہیں سکتا
خدایا دن میں گذریں تڑپتے تیری فرقت میں
ترے ملنے کا کیا کوئی بھی ساماں ہو نہیں سکتا

(صفحہ ۳۱)

۱۵۔ فروری ۱۹۰۹ء کی نظم بعنوان "دیدارِ یار کے نظارے" میں حضور نے شاہدِ حقیقی کے جمالِ جہاں سوز کا نقشہ کھینچا ہے فرماتے ہیں ؎

میں نے جس دن سے ہے پیارے تیرا چہرہ دیکھا
پھر نہیں اور کسی کا رُخِ زیبا دیکھا
سچ کہوں گا کہ نہیں دیکھی یہ خوبی اُن میں
چہرۂ یوسف و اندازِ زلیخا دیکھا
جب کبھی دیکھی ہیں یہ تیری غزالی آنکھیں
میں نے دنیا ہی میں فردوس کا نقشہ دیکھا
تیری آنکھوں میں ہے دیکھی ملک الموت کی آنکھ
ہم نے ہاتھوں میں ترے قبضہ قضا کا دیکھا
مشتری بھی ہے ترا مشتری اے جانِ جہاں
اُس نے جس دن سے ہے تیرا رُخِ زیبا دیکھا
اپنی آنکھوں سے کئی بار ہے سورج کا بھی
پِتّا اُلفت میں تری میں نے پگھلتا دیکھا

(صفحہ ۳۲)

۹۔ جون ۱۹۰۹ء کی ایک نظم میں کس درد کے ساتھ محبوبِ حقیقی سے عشق کا اظہار فرمایا ہے ؎

وہ میرے چاکِ جگر کا کریں گے کب درماں
جو دل پہ داغ لگے ہیں اُنہیں مٹائیں گے کب
یونہی تڑپتے تڑپتے نہ دم نکل جائے!!
کوئی یہ پوچھ تو آؤ مجھے بلائیں گے کب
یہ میں نے مانا کہ ہے ان کی ذات بے پایاں
مگر وہ چہرۂ زیبا مجھے دکھائیں گے کب

(صفحہ ۴۵)

یکم اگست ۱۹۲۱ء کی ایک نظم "وصلِ الٰہی کے لئے دل کی بے قراری" میں فرماتے ہیں ؎

مجھ سے ملنے میں اُنہیں عذر نہیں ہے کوئی
دل پہ قابو نہیں اپنا یہی دشواری ہے
چاک کر دیجئے ہیں بیچ میں جتنے یہ حجاب
میری منظور اگر آپ کو دلداری ہے (صفحہ ۵۸)

دسمبر ۱۹۲۱ء کی ایک نظم میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں ؎

میں ترا در چھوڑ کر جاؤں کہاں
چینِ دل آرامِ جاں پاؤں کہاں

یاں نہ گر روؤں کہاں روؤں بتا
یاں نہ چلاؤں تو چلاؤں کہاں (صـ۳۲)

۸۔جولائی ۱۹۲۳ء کی نظم "اضطرابِ فرقت" کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں کس درد سے محبوبِ حقیقی سے ملتجی ہیں ؎

پردۂ زلفِ دوتا رُخ سے ہٹا لے پیارے
ہجر کی موت سے للہ بچا لے پیارے
غیر کو سونپ نہ دیجو کہ کوئی خادمِ در
کر گیا تھا ہمیں تیرے ہی حوالے پیارے
دشت و کہسار میں جب آئے نظر جلوۂ حسن
تیرے دیوانے کو پھر کون سنبھالے پیارے
ظاہری دکھ ہو تو لاکھوں ہیں فدائی موجود
دل کے کانٹوں کو مگر کون نکالے پیارے
(صـ۷۶)

۲۴۔اگست ۱۹۲۶ء کی ایک نظم میں یہی جذبہ شدت سے نمودار ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ؎

بخش دو رحم کرو شکوے گلے جانے دو
مر گیا ہجر میں میں پاس مجھے آنے دو
پڑ گئی جس پہ نظر ہو گیا مدہوش وہی
میرے دلدار کی آنکھیں ہیں کہ خمخانے دو
تن سے کیا جان جدا رہتی ہے یا جاں سے تن
راستہ چھوڑ دو۔ دربانو مجھے جانے دو
(صـ ۸۸-۸۹)

دسمبر ۱۹۲۷ء کی مندرجہ ذیل نظم میں کس عاشقانہ ولولہ کے ساتھ شاہدِ حقیقی سے راز و نیاز جاری ہے ؎

یہ خاکسارِ نابکار دلبرا وہی تو ہے
کہ جس کو آپ کہتے تھے ہے باوفا وہی تو ہے
جو پہلے دن سے کہہ چکا ہوں مدعا وہی تو ہے
میری طلب وہی تو ہے میری دعا وہی تو ہے
جو غیر پر نگہ نہ ڈالے آشنا وہی تو ہے
جو غیر کے سوا نہ دیکھے چشم وا وہی تو ہے
یہ بے رُخی ہے کس سبب سے میں وہی ہوں جو کہ تھا
میرے گنہ وہی تو ہیں میری خطا وہی تو ہے
سزائے عشق ہجر ہے جزائے صبر وصل ہے
میری سزا وہی تو ہے میری جزا وہی تو ہے
(صـ۹۲)

دسمبر ۱۹۲۷ء کے ان اشعار میں اسی عاشقانہ ساز کی گونج ہے ؎

ترے در پہ ہی میری جان نکلے
خدایا یہ مرا ارماں نکلے
لٹا دوں جان و مال و آبرو سب
جو میرے گھر کبھی تو آن نکلے
نہ پایا دوسرا تجھ سا کوئی بھی
زمین و آسماں سب چھان نکلے
(صـ۹۳)

بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے حصولِ جنت کے لئے پیار کرتے ہیں بعض نارِ جہنم کے خوف سے لرز کر اُس کے آستانے پہ گر جاتے ہیں مگر یہ دونوں ادنیٰ حالتیں ہیں اعلیٰ ترین مقامِ محبت یہ ہے کہ رضائے باری تعالیٰ کے حصول

کے لئے اس سے پیار کیا جائے۔ غالب نے بھی ایک جگہ خوب کہا ہے ؎

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

حضور کی محبتِ الٰہی کا محرک یہی جذبہ ہے کہ رضائے الٰہی کسی طرح حاصل ہو جائے کیونکہ جسے یہ چیز میسر آجائے اُسے پھر کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ دسمبر ۱۹۳۶ء کی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

مطلوب ہے فقط مجھے خوشنودیٔ مزاج
امیدِ حور و خواہشِ باغِ جناں نہیں (صـ ۱۰۸)

۱۹۴۸ء میں شائع ہونے والی ایک غزل جس میں ساقیٔ ازل سے خطاب ہے اسی جذبۂ عشق سے لبریز ہے چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔ کبھی ایسا "ساقی نامہ" بھی آپ نے دیکھا ہے؟ ؎

نگاہوں نے تری مجھ پہ کیا ایسا فسوں ساقی
کہ دل میں جوشِ وحشت ہے تو سر میں ہے جنوں ساقی
جیوں تو تیری خوشنودی کی خاطر ہی جیوں ساقی
مروں تو تیرے دروازے کے آگے ہی مروں ساقی
پلائے تو اگر مجھ کو تو مَیں اتنی پیوں ساقی
رہوں تا حشر قدموں پر ترے مَیں سرنگوں ساقی
تجھے معلوم ہے جو کچھ مرے دل کی تمنّا ہے
مرا ہر ذرّہ گویا ہے زباں سے کیا کہوں ساقی
وہ کیا صورت ہے جس سے مَیں نگاہِ لطف کو پاؤں
چھوؤں دامن کو تیرے یا ترے پاؤں پڑوں ساقی
مجھے قیدِ محبت لاکھ آزادی سے اچھی ہے!
کچھ ایسا کر کہ پابندِ سلاسل ہی رہوں ساقی
ترے در کی گدائی سے بڑا ہے کون سا درجہ
مجھے گر بادشاہت بھی ملے تو مَیں نہ لوں ساقی

(صـ ۱۳۰-۱۳۱)

۲۸۔ جولائی ۱۹۴۸ء کی ایک نظم میں وارداتِ قلب کی عکاسی فرمائی ہے۔ اس پُر آشوب دور میں تائیداتِ الٰہیہ کو شاملِ حال پا کر دل و فورِ محبت سے لبریز ہو گیا۔ فرماتے ہیں ؎

آنکھوں میں وہ ہماری ہے ابتدا یہ ہے
ہم اُس کے دل میں بستے ہیں انتہا یہ ہے
لاکھوں خطائیں کر کے جو جھکتا ہوں اس طرف
پھیلا کے ہاتھ ملتے ہیں مجھ سے وفا یہ ہے
راتوں کو آکے دیتا ہے مجھ کو تسلّیاں!
مُردہ خدا کو کیا کروں میرا خدا یہ ہے
مارے جلائے کچھ بھی کرے مجھ کو اس سے کیا
مجلس میں اُس کے پاس رہوں مدعا یہ ہے

(صـ ۱۳۶)

جنوری ۱۹۵۰ء کی ایک نظم میں خدا تعالیٰ سے والہانہ خطاب ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

آ۔ آ کہ تری راہ میں ہم آنکھیں بچھائیں
آ۔ آ کہ تجھے سینہ سے ہم اپنے لگائیں
تُو آئے تو ہم تجھ کو سر آنکھوں پہ بٹھائیں
جاں نذر کریں دیں تجھ کو تجھے دل میں بسائیں

ہیں مغرب و مشرق کے تو معشوق ہزاروں
بھاتی ہیں مگر آپ کی ہی مجھ کو ادائیں
مَیں جانتا ہوں آپ کے اندازِ تلطف!
مانوں گا نہ جب تک کہ میری مان نہ جائیں
(صفحہ ۱۴۰)

حضور اپنی جماعت کے دل میں بھی یہی جذبہ موجزن دیکھنا چاہتے ہیں۔ ۱۹۵۲ء کی ایک طویل دعائیہ نظم میں فرماتے ہیں ؎

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے
(صفحہ ۱۶۹)

اس کے علاوہ حضور کے اور بھی کافی اشعار ایسے ہیں جن میں عشقِ الٰہی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ یہ چند اشعار بطور نمونہ ہیں۔ اسی طرح باقی جذبات کے اظہار پر مشتمل اشعار نمونے کے طور پر ہی پیش کئے جاسکیں گے!

عشقِ رسولؐ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ کے منظوم کلام کا عشقِ الٰہی کے بعد دوسرا بڑا جزو وہ حصہ کلام ہے جو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت سے لبریز ہے۔ جس طرح عشقِ الٰہی کے نقطۂ نگاہ کو احمدیت نے بدلا ہے۔ اسی طرح عشقِ رسولؐ کے تصور میں بھی تبدیلی پیدا کی۔ پہلے شاعری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے وقت حضور کی جسمانی صفات ــــ "زلفِ دراز" ــــ "کالی کملی" کا ہی ذکر ہوتا تھا مگر جس دینی شاعری کی بنیاد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھی ہے اس میں سیدنا حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مدارج فضائل اور عظیم الشان کارناموں اور عدیم المثال قربانیوں کا ذکر ہوتا ہے تا دنیا پر واضح ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحقیقت "رحمۃ للعالمین" ہیں۔ اس رنگ کی منظوم مدح کی واضح طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بنیاد ڈالی۔ اور یہی رنگ حضور کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اب چند مثالیں ملاحظہ کیجیئے۔

۲ فروری ۱۹۰۸ء کی ایک طویل نعت "عشق سرورِ دو عالمؐ" کے عنوان سے ہے اس میں حضور فرماتے ہیں ؎

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اس نے روشن کر دیا ہے
اندھیرے گھر کا میرے وہ دیا ہے
خبر لے اے مسیحا دردِ دل کی
ترے بیمار کا دم گھٹ رہا ہے
مرا ہر ذرہ ہو قربانِ احمدؐ
مرے دل کا یہی اک مدعا ہے
اسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اک مزا ہے

ہو اس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شاہنشہِ ہر دوسرا ہے
اسی سے میرا دل پاتا ہے تسکین
وہی آرام میری رُوح کا ہے
خدا کو اس سے مل کر ہم نے پایا
وہی اک راہِ دین کا رہنما ہے
مجھے اس بات پر ہے فخر محمودؔ
مرا معشوق محبوبِ خدا ہے
(صفحہ ۲۶، ۲۷)

محبوب سے محبت کا ایک طبعی نتیجہ ہوتا ہے کہ عاشق کو اس کا گھر۔ وطن اور گلیاں بھی پیاری لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب میں زمینِ حجاز کے لئے ایک خاص محبت اور عقیدت کے جذبات موجود ہیں۔ حضور نے جب ۱۹۱۳ء میں حج بیت اللہ کے لئے ارضِ حرم کا عزم فرمایا تو سفر میں ایک نظم میں عاشقانہ انداز سے زمینِ حجاز سے بھی محبت کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

دوڑے جاتے ہیں بامیدِ تمنا سوئے باب
شاید آجائے نظر رُوئے دلآرا بے نقاب
میری خواہش ہے کہ دیکھوں اس مقامِ پاک کو
جس جگہ نازل ہوئی مولیٰ تری اُم الکتاب (صفحہ ۵۵)

اسی طرح "نسیم بہار کی آمد" میں فرمایا:

سمندر سے ہوائیں آرہی ہیں
مرے دل کو بہت گرما رہی ہیں
عرب جو ہے مرے دلبر کا مسکن
بُوئے خوش اسکی لے کر آ رہی ہیں

بشارت دینے سب خورد و کلاں کو
اُچھلتی کودتی وہ آرہی ہیں
(صفحہ ۱۰۹)

۸ر جنوری ۱۹۱۸ء کی نظم میں دعائیہ رنگ میں فرماتے ہیں (زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد یہ حضور کی پہلی نظم ہے):

محمدؐ عربی کی ہو آل میں برکت
ہو اس کے حُسن میں برکت جمال میں برکت
ہو اس کی قدر میں برکت کمال میں برکت
ہو اسکی شان میں برکت جلال میں برکت
(صفحہ ۶)

۱۹۴۰ء کی ایک پُر جوش نظم "بادۂ عرفان" میں حضور آخر میں حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عاشقانہ انداز سے عرض کرتے ہیں:

یا محمدؐ دلبرم از عاشقانِ رُوئے تُست
مجھ کو بھی اُس سے ملا دے ہاں ملا دے آج تُو
دست کوتاہم کجا اثمارِ فردوسی کجا
شاخِ طوبیٰ کو ہلا دے ہاں ہلا دے آج تُو
(صفحہ ۱۱۴)

۲۲ر جنوری ۱۹۵۲ء کا حضور کا ایک الہامی قطعہ ہے۔ وہ بھی حضور کے قلبی جذباتِ عشق کی تصویر ہے:

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اے حضرتِ لولاک
ہوتے نہ اگر آپ تو بنتے نہ یہ افلاک
جو آپ کی خاطر ہے بنا۔ آپ کی شے ہے
میرا تو نہیں کچھ بھی۔ یہ ہیں آپ کے املاک (صفحہ ۱۵۶)

اسی طرح ۱۹۵۵ء کی ایک اُردو نظم میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے احسانات کا ذکر فرماتے ہیں ؎

دید کی راہ بتائی تھی ہے تیرا احسان
اس کی تدبیر سُجھائی تھی ہے تیرا احسان

ہفت اقلیم کو جو راکھ کئے دیتی تھی
تُو نے وہ آگ بجھائی تھی ہے تیرا احسان

راہ گیروں کو بچانے کے لئے ظلمت میں
شمع اک تُو نے جلائی تھی ہے تیرا احسان

جس نے ویرانوں کو دنیا کے کیا ہے آباد
بستی وہ تُو نے بسائی تھی ہے تیرا احسان

جس کی گرمی سے مری روح ہوئی ہے پختہ
تُو نے وہ آگ جلائی تھی ہے تیرا احسان

عرش سے کھینچ کے لے آئی خدا کو جو چیز
تیری بروقت دہائی تھی ہے تیرا احسان

تُو نے انسان کو انسان بنایا پھر سے
ورنہ شیطاں کی بن آئی تھی ہے تیرا احسان

(ص ۱۷۱)

جولائی ۱۹۵۸ء کا ایک قطعہ ہے جس میں حضور نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عشق کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اے محمدؐ اے حبیبِ کردگار
مَیں ترا عاشق ترا دلدادہ ہوں

گو ہیں قالب دو مگر ہے جان ایک
کیوں نہ ہو ایسا کہ خادم زادہ ہوں

اے مرے پیارے سہارا دو مجھے
بیکس و بے بس ہوں خاک افتادہ ہوں

میری اُلفت بڑھ کے ہر اُلفت سے ہے
تیری راہ میں مرنے پر آمادہ ہوں

(ص ۱۷۴)

قرآن کریم سے محبت

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح منظوم کلام میں قرآن مجید سے عشق و محبت کا اظہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے اسلامی شاعری کی ساری تاریخ میں اُس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا اظہار تو مل جاتا ہے مگر کلام اللہ سے پیار اور عشق کے جذبات اس طرح نظم نہیں کئے گئے، شاعری کو احمدیت نے جو نئی چیزیں عطا کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقلید میں اپنے منظوم کلام میں قرآنِ مجید سے محبّت کا اظہار فرمایا ہے۔

۲۱۔ فروری ۱۹۰۷ء کی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

گناہگاروں کے دردِ دل کی بس ایک قرآن ہی دوا ہے
یہی ہے خضرِ رہِ طریقت یہی ہے ساغر جو حق نما ہے

ہر اک مخالف کے زور و طاقت کو توڑنے کا یہی ہے حربہ
یہی ہے تلوار جس سے ہر ایک دیں کا بدخواہ کانپتا ہے

تمام دنیا میں تھا اندھیرا کیا تھا ظلمت نے یاں بسیرا
ہوا ہے جس سے جہان روشن وہ معرفت کا یہی دِیا ہے

نگاہ جن کی زمیں پر تھی نہ آسماں کی جنہیں خبر تھی
خدا سے ان کو بھی جا ملایا دکھائی ایسی رہِ ہدیٰ ہے
بھٹکتے پھرتے ہیں راہ سے جو۔ انہیں یہ ہے یار سے ملاتا
جو ان کے واسطے یہ خضرِ رہ ہے۔ تو پیر کے واسطے عصا ہے
مصیبتوں سے نکالتا ہے۔ بلاؤں کو سر سے ٹالتا ہے
گلے کا تعویذ اسے بناؤ ہمیں یہی حکمِ مصطفیٰؐ ہے
(صفحہ ۱۳-۱۴)

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کی نظم میں ایک شعر میں اپنے دل کی حالت کا نقشہ کھینچ دیا ہے ؎

بھلاؤں یاد سے کیونکر کلامِ پاکِ دلبر ہے
جدا مجھ سے تو اک دم کو بھی قرآں ہو نہیں سکتا (صفحہ ۳۱)

۱۹۱۱ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے قرآن مجید ختم کیا تو حضور نے اس پُرمسرت موقع پر ایک منظوم "آمین" کے ذریعے جذباتِ تشکر کا اظہار فرمایا۔ اس میں قرآنِ مجید کے متعلق بھی محبت بھرے پیرائے میں اشعار کہے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

خدا کا اس قدر ہے ہم پہ احساں
کہ جس کو دیکھ کر ہوں سخت حیراں
نہیں معلوم کیا خدمت ہوئی تھی
کہ سکھلایا کلامِ پاکِ یزداں
ہزاروں ہیں کہ ہیں محروم اس سے
نظر سے جن کی ہے وہ نور پنہاں
جسے اس نور سے حصہ نہیں ہے
نہیں زندوں میں ہے وہ جسم بے جاں
یہی دل کی تسلی کا ہے موجب
اسی سے ہو میسر دیدِ جاناں
اسی سے مُردہ دل کی زندگی ہے
یہی کرتا ہے ہر مشکل کو آساں
یہ ہے دنیا میں کرتا رہنمائی
یہ عقبیٰ میں کرے گا شاد و فرحاں
یہی ہر کامیابی کا ہے باعث
یہی کرتا ہے ہر مشکل کو آساں
ملاتا ہے یہی اُس دلربا سے
یہی کرتا ہے زائل دردِ ہجراں

اسی طرح دوسرے بند میں فرماتے ہیں ؎

کلام اللہ میں سب کچھ بھرا ہے
یہ سب بیماریوں کی اک دوا ہے
یہی اک پاک دل کی آرزو ہے
یہی ہر متقی کا مدعا ہے
یہ جامع کیوں نہ ہو سب خوبیوں کا
کہ اس کا بھیجنے والا خدا ہے
مٹا دیتا ہے سب زنگوں کو دل سے
اسی سے قطب کو ملتی جلا ہے
یہ ہے تسکیں دہِ عشاقِ مضطر
مریضانِ محبت کو شفا ہے
خضر اس کے سوا کوئی نہیں ہے
یہی بھولے ہوؤں کا رہنما ہے
جو اس کی دید میں آتی ہے لذت
وہ سب دنیا کی خوشیوں سے سوا ہے

جو ہے اس سے الگ حق سے الگ ہے
جو ہے اس سے جدا حق سے جدا ہے
یہ ہے بے عیب ہر نقص و کمی سے
کرے جو حرف گیری بے حیا ہے
ہمیں حاصل ہے اس سے دیدِ جاناں
کہ قرآں مظہرِ شانِ خدا ہے
(ص ۴۷-۴۸)

اسی طرح ۱۹۳۱ء میں حضور کے متعدد صاحبزادوں اور صاحبزادیوں نے قرآن ختم کیا۔ اس پُرمسرت تقریب پر بھی حضور نے "آمین" رقم فرمائی۔ اس میں بھی قرآنِ مجید کی عظمت کا والہانہ انداز سے ذکر فرمایا ؎

یہ نعمت سارے انعاموں کی جاں ہے
جو سچ پوچھو یہی باغِ جناں ہے
ملی ہے ہم کو یہ فضلِ خدا سے
حبیبِ پاک حضرت مصطفےٰؐ سے
شہِ لولاکؐ یہ نعمت نہ پاتے
تو اس دنیا سے ہم اندھے ہی جاتے
کجا ہم اور کجا مولیٰ کی باتیں
کجا دن اور کجا تاریک راتیں
رسائی کب تھی ہم کو آسماں تک
جو اُڑتے بھی تو ہم اُڑتے کہاں تک
خدا ہی تھا کہ جس نے دی یہ نعمت
محمدؐ ہی تھے جو لائے یہ خلعت
پس اے میرے عزیزو میرے بچو!
دل و جاں سے اسے محبوب رکھو
یہی ہے دین و دنیا کی بھلائی
اسی سے دور رہتی ہے برائی
اسی سے ہوتی ہے راحت میسّر
اسی سے دیکھتے ہیں روئے دلبر
یہی لے جاتی ہے مولیٰ کے در تک
یہی پہنچاتی ہے مومن کو گھر تک
(ص ۱۰)

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی ایک نظم "دل میں ایمان ہاتھ میں قرآن" میں قرآنِ مجید کے متعلق فرماتے ہیں ؎

یاد جس دل میں ہو اس کی وہ پریشان نہ ہو
ذکر جس گھر میں ہو اس کا کبھی ویران نہ ہو
مسلمِ سوختہ دل یونہی پریشان نہ ہو
تجھ پہ اللہ کا سایہ ہے ہراسان نہ ہو
ربِّ افواج خود آتا ہے تری نصرت کو
باندھ لے اپنی کمر بندۂ حرمان نہ ہو
اُٹھ کے دشمن کے مقابل پہ کھڑا ہو جا تُو
اپنے احباب سے ہی دست و گریبان نہ ہو
یاد رکھ لیک کہ غلبہ نہ ملے گا جب تک
دل میں ایمان نہ ہو ہاتھ میں قرآن نہ ہو
(ص ۶۹-۷۰)

۲۱ مئی ۱۹۴۲ء کے اشعار میں اللہ تعالیٰ سے یوں ملتجی ہیں ؎

ایمان مجھ کو دیدے عرفان مجھ کو دیدے
قربان جاؤں تیرے قرآن مجھ کو دیدے
دل جل رہا ہے میرا فرقت سے تیری ہر دم
جام وصال اپنا اے جان مجھ کو دیدے (ص ۱۱۷)

مفادِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ سے محبت

عشقِ الٰہی، عشقِ رسول ؐ اور عشقِ قرآن کے بعد حضور کی شاعری کا سب سے بڑا عنصر اسلام سے شدید محبت ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔ اسلام کی روحانی اور مادی ترقی اور مسلمانوں کی خوشحالی اور فلاح اور بہبود کا درد حضور کو ورثے میں ملا ہے۔ سارے ادیان پر اسلام کو غالب کرنے اور اکنافِ عالم میں اس کی اشاعت کے لئے حضور بے قرار رہتے ہیں حضور ابتداء سے اسی مقدس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں میں برکت ڈالی ہے اور مسلمانوں اور اسلام کو ترقی عطا فرمائی ہے۔ ایسے نظموں میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ اسلام کی فضیلت

۲۔ ملتِ اسلامیہ کا درد مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کی تمنّا۔

۳۔ اسلام کی اشاعت کی تڑپ

۴۔ اسلام کے روشن مستقبل کا یقینِ کامل

اب مثال کے طور پر چند پہلو اشعار کے پیرائے میں ملاحظہ فرمائیے:۔

ملتِ اسلامیہ کا درد

فروری سنہ ۱۹۰۹ء کی ایک نظم ہے "ملتِ احمد کا درد" اپنے رنج والم کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

مدت سے پارہ ہائے جگر کھا رہا ہوں میں
رنج و محن کے قبضہ میں آیا ہوا ہوں میں

میری کمر کو قوم کے غم نے دیا ہے توڑ
کس ابتلا میں ہائے ہوا مبتلا ہوں میں

کوشاں حصولِ مطلب دل میں ہوں اس قدر
کہتا ہے تم کو صبح ہمہ تن التجا ہوں میں

کچھ اپنے تن کا فکر ہے مجھ کو نہ جان کا
دینِ محمدی ؐ کے لئے مر رہا ہوں میں

میں رو رہا ہوں قوم کے مُرجھائے پھول پر
بلبل تو کیا ہے اس سے کہیں خوشنوا ہوں میں

بیمار روح کے لئے خاکِ شفا ہوں میں
ہاں کیوں نہ ہو کہ خاکِ درِ مصطفےٰ ؐ ہوں میں

پھر کیوں نہ مجھ کو مذہبِ اسلام کا ہو فکر
جب جان و دل سے معتقدِ میرزا ہوں میں

(ص ۳۳)

جون سنہ ۱۹۱۳ء کی ایک نظم "گلشنِ اسلام کی زبوں حالی" میں بھی اپنے غم اور افسردگی کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے۔

؎ میں باعثِ رنج کیا بتاؤں
کیا کہتے ہو بے قرار کیوں ہو

کاٹے گئے جب تمام پودے
گلشن میں مرے بہار کیوں ہو

جس شخص کا لٹ رہا ہو گھر بار
خوشیوں سے بھلا دو چار کیوں ہو

اسلام گھرا ہے دشمنوں میں
مسلم کا نہ دل فگار کیوں ہو

ماضی نے کیا ہے جب پریشاں
آئندہ کا اعتبار کیوں ہو
(صفحہ ۵۸)

مارچ ۱۹۱۳ء کے ایک مخمس بعنوان "مسلمانوں کی خستہ حالت" میں بڑے دردناک پیرائے میں مسلمانوں کی روحانی۔ اخلاقی اور مادی کمزوری کا ذکر کیا ہے سیاسی طاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

چھینے گئے ہیں ملک سب باقی ہیں اب شام و عرب
پیچھے پڑا ہے ان کے اب دشمن لگائے نقب
ہم ہو رہے ہیں جاں بلب بنتا نہیں کوئی سبب
ہیں منتظر اس کے کہ کب آئے ہمیں امدادِ ربّ
—— پیالہ بھرا ہے لب بلب ٹھوکر ہی اک رکا ہے ——

اس نظم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خطاب کر کے آخر میں کہتے ہیں ؎

کیا آپ پر الزام ہے یہ خود ہمارا کام ہے
غفلت کا یہ انجام ہے سستی کا یہ انعام ہے
قسمت یونہی بدنام ہے دل خود اسیرِ دام ہے
اب کس جگہ اسلام ہے باقی فقط اک نام ہے
—— ملتی نہیں مے جام ہے۔ بس اک ہی آزار ہے ——
(صفحہ ۵۷)

۲۷۔ اگست ۱۹۱۳ء کی ایک نظم "دلگیر ترانہ" میں ملتِ اسلامیہ کے لئے درد کا اظہار فرمایا ہے ؎

پڑی ہے کیسی مصیبت یہ غنچۂ دہن پر
رہی وہ شکل و شباہت نہ رنگ و بو باقی
کہاں وہ مجلسِ عیش و طرب وہ راز و نیاز
بس اب تو رہ گئی ہے ایک گفتگو باقی
گیا ہوں سوکھ غمِ ملتِ محمدؐ میں
رہا نہیں ہے مرے جسم میں لہو باقی
قرونِ اولیٰ کے مسلم کا نام باقی ہے
نہ اس کے کام ہیں باقی نہ اس کی خو باقی
خدا کے واسطے مسلم ذرا تو ہوش میں آ
نہیں تو تیری رہے گی نہ آبرو باقی
(صفحہ ۵۸)

۱۳۔ اگست ۱۹۲۲ء کی ایک نظم میں بھی مسلمانوں کی حالتِ زار کا دردناک خاکہ کھینچا ہے ؎

صید و شکارِ غم ہے تو مسلم خستہ جان کیوں
اٹھ گئی سب جہان سے تیرے لئے اماں کیوں
بیٹھنے کا تو ذکر کیا۔ بھاگنے کو جگہ نہیں
ہو کے فراخ اس قدر تنگ ہوا جہاں کیوں
ڈھونڈتے ہیں تجھی کو کیوں سارے جہاں کے ابتلاء
پیستی ہے تجھی کو ہاں گردشِ آسماں کیوں
کیوں نہیں پہلی رات کا خواب تری بڑائیاں
قصۂ ماضی ہوئی تیری وہ آن بان کیوں
ہاتھ میں کیوں نہیں وہ زور بات میں کیوں نہیں اثر
چھن گئی ہے سیف کیوں کٹ گئی زبان کیوں
واسطہ جہل سے پڑا وہم ہوا رفیقِ دہر
علم کدھر کو چل دیا۔ جاتا رہا بیان کیوں
سارے جہاں کے ظلم کیوں ٹوٹتے ہیں تجھی پہ آج
بڑھ گیا حدِّ صبر سے عرصۂ امتحان کیوں

کیوں ہیں یہ تیرے قلب پر کُفر کی چیرہ دستیاں
دل سے ہوئی ہے تیرے محو خصلتِ امتنان کیوں؟

(ص۸۰)

دسمبر ۱۹۴۵ء کی ایک نظم "ویرانوں کی آبادی" میں فرماتے ہیں ؎

کب پیٹ کے دھندوں سے مُسلم کو بھلا فرصت
ہے دین کی کیا حالت یہ اُس کی بلا جانے
جو جاننے کی باتیں تھیں اُن کو بھلایا ہے
جب پوچھیں سبب کیا ہے کہتے ہیں خدا جانے
سرمستی سے خالی ہے دل عشق سے عاری ہے
بیکار گئے اُن کے سب ساغر و پیمانے

(ص۱۲۵)

۲۷ مارچ ۱۹۵۱ء کی ایک نظم میں مسلمانانِ ہند سے خطاب فرمایا ہے ؎

اے یاروں کے یار نگاہِ لُطف غریب مسلماں پر
اس بیچارے کا ہندوستاں میں اب کوئی بھی یار نہیں
اے ہند کے مُسلم صبر بھی کر ہمت بھی کر شکوہ بھی کر
فریادیں گو الفاظ ہی ہیں پھر بھی وہ بیکار نہیں
ہر ظلم بھی سہہ ہر بات بھی سُن پر دین کا دامن تھامے رہ
غدار نہ بن بُزدل بھی نہ بن۔ یہ مومن کا کردار نہیں
تو ہندوستاں میں روتا ہے مَیں پاکستاں میں کُڑھتا ہوں
ہے میرا دل بھی زار فقط تیرا ہی حال زار نہیں
آ گر جائیں ہم سجدہ میں اور سجادوں کو تر کر دیں
اللہ کے در پہ سر پٹکیں جس سا کوئی دربار نہیں

(ص۱۴۳)

دسمبر ۱۹۵۲ء کی ایک نظم میں بھی دردناک انداز سے یہی آنسو بہائے ہیں ؎

تقویٰ کا جھنڈا جھکتا ہے پر کُفر کی گُڈی چڑھتی ہے
اس دُنیا میں اب نیکوں کا کوئی تو اللہ والی ہے
اب صوفے کوچیں گرجا میں اک شان سے رکھے رہتے ہیں
مسجد میں چٹائی ہوتی تھی سو ظالم نے سرکا لی ہے
کافر کے ہاتھ میں بندوقیں مومن کے ہاتھ سلاسل ہیں
کافر کے ہاتھ خزانوں پر مومن کی پیالی خالی ہے

(ص۱۵۸-۱۵۹)

اسلام کی اشاعت کی تڑپ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنے پیروؤں میں اشاعتِ اسلام کے لئے تڑپ پیدا کر دی ہے۔ علامہ اقبالؔ نے ان دنوں میں بھی جب ان کی احمدیت دشمنی نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی، اس تبلیغی جذبے کا اعتراف کیا ہے۔ چوہدری محمد احسن کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ مجھے مرزا صاحب کے تبلیغ اسلام کے طریق کار سے اختلاف ہے لیکن:۔

"اشاعتِ اسلام کا جو جوش انکی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابلِ قدر ہے"

(اقبال نامہ جلد دوم ص۲۳۲ مرتبہ شیخ عطاء اللہ)

حضور کی زندگی کا ایک نمایاں فیچر وہ درد ہے جو تبلیغِ اسلام کے لئے حضور کے دل میں پایا جاتا ہے عملی طور پر حضور اس مقصد کے لئے ابتداء ہی سے سرگرم عمل ہیں۔

اس وقت حضور کی تیار کردہ سکیم کے مطابق دنیا میں تبلیغِ اسلام کے مراکز کا ایک جال بچھا ہوا ہے جس کے ذریعے دنیا بھر میں اعلائے کلمۃ اللہ کا مقدس فریضہ ادا کیا جا رہا ہے

سیدنا حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طریق پر عمل کرتے ہوئے حضور بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی دعوتِ اسلام دیتے رہے ہیں۔ اور دنیا کا شاید ہی کوئی حکمران ہو گا جسے آپ کے شاگردوں کے ذریعے دعوتِ حق نہ پہنچی ہو۔ "تحفۃ الملوک"۔ "تحفہ لارڈ ارون"۔ "تحفہ شہزادہ ویلز" "دعوۃ الامیر" وغیرہ خود رقم فرمائیں جن میں عمائدین حکومت کو حق کی تبلیغ کی گئی ہے۔ نثر کے علاوہ نظم میں بھی یہ جذبہ موجزن ہے۔

۳۰ رمئی ۱۹۰۷ء کی نظم۔۔۔ "قیصر کو دعوتِ حق" میں انگریزی حکومت کی مذہبی رواداری کا ذکر کرنے کے بعد دعا کرتے ہیں ؎

محمود دردِ دل سے ہے اب مری دُعا
قیصر کو بھی ہدایتِ اسلام ہو عطا

(صـــ ۲۲)

۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء کی نظم "ولولۂ تبلیغ" میں فرماتے ہیں ؎

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو
جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں
پروا نہیں جو ہاتھ سے اپنے ہی اپنا آپ
حرفِ غلط کی طرح مٹانا پڑے ہمیں
محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
رُوئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں (صـــ ۶۴)

۱۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کی نظم "معرکۂ حق و باطل" میں احیائے اسلام کی جدّ و جہد جاری و ساری رکھنے کے عزم کا اظہار نہایت پُر جوش انداز سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہمیں بھی ہے نسبتِ تلمّذ کسی مسیحا نفس سے حاصل
ہوا ہے بے جان گو کہ مُسلم مگر اب اسکو جلائیں گے ہم
مٹا کے نقش و نگارِ دیں کو یونہی ہے خوش دشمنِ حقیقت
جو پھر کبھی بھی نہ مٹ سکے گا اب ایسا نقشہ بنائیں گے ہم
خُدا نے ہے خضرِ راہ بنایا ہمیں طریقِ محمدی کا!
جو بھولے بھٹکے ہوئے ہیں انکو صنم سے لا کر ملائیں گے ہم
مٹا کے کفر و ضلال و بدعت کریں گے آثارِ دیں کو تازہ
خُدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اڑائیں گے ہم
خبر بھی ہے کچھ تجھے او ناداں کہ مردمِ چشمِ یار ہیں ہم
اگر ہمیں کج نظر سے دیکھا تو تجھ پہ بجلی گرائیں گے ہم
وہ شہر جو کفر کا ہے مرکز ہے جس پہ دینِ مسیح نازاں
خدائے واحد کے نام پر اک اب اس میں مسجد بنائیں گے ہم[1]
پھر اسکے مینار پر سے دُنیا کو حق کی جانب بلائیں گے ہم
کلامِ ربِّ رحیم و رحماں بباںگِ بالا سُنائیں گے ہم (صـــ ۶۷)

اپریل ۱۹۲۴ء کی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

ہو فضل تیرا یا ربّ یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو
مٹ جاؤں میں تو اسکی پروا نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

---

[1] لندن کی طرف اشارہ ہے۔ لندن کیا اب تو یورپ کے متعدد شہروں میں مساجد بن چکی ہیں۔

شیطان کی حکومت مٹ جائے اس جہاں سے
حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفٰےؐ ہو
(صفحہ ۱۱۶، صفحہ ۱۱۷)

۱۹۵۰ء کی ایک نظم "خدا تعالیٰ سے خطاب" میں اپنی
قلبی خواہش کا ذکر کرتے ہیں ؎

دے ہم کو یہ توفیق کہ ہم جاں لڑا کر
اسلام کے سر پر سے کریں دُور بلائیں
ربوہ کو ترا مرکزِ توحید بنا کر
اک نعرۂ تکبیر فلک بوس لگائیں
پھر ناف میں دُنیا کی ترا گاڑ دیں نیزہ
پھر پرچم اسلام کو عالم میں اُڑائیں
جس شان سے آپ آئے تھے مکہ میں مری جاں
اک بار اُسی شان سے ربوہ میں بھی آئیں
(صفحہ ۱۴۰)

اس قسم کے اشعار پہلے اُردو کی دینی شاعری میں
نہیں آئے۔ اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ پروفیسر احمد صدیق
مجنوں ایم۔اے کے بقول:

"تاریخی جبریت (HISTORI-
CAL DETERMINISM)
کچھ اقتصادیات اور عمرانیات ہی کا
قانون نہیں ہے۔ ادبیات کی دنیا میں بھی
قدرت کا یہی اٹل قانون جاری ہے۔
یعنی کوئی ادبی پیداوار نہ وقت سے
پہلے ہو۔ نہ وقت کے بعد۔ اور اگر ہوئی
ہو تو وہ شاہکار تسلیم نہیں کی جائے گی
اور اس کا تاریخ میں کوئی نام نہ ہوگا"۔
(ادب اور زندگی صفحہ ۱۴۲)

یہ "ادبی پیداوار" وقت اور موسم کے عین مطابق
ہے کیونکہ حضور کے بقول ؎
ہے ساعتِ سعد آئی اسلام کی جنگوں کی

اسلام کی فتح کا یقین

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مسیحائی کا ایک
ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ حضور علیہ السلام کی جماعت کے
دل و دماغ میں یہ بات میخ کی طرح دھنس چکی ہے کہ اسلام
ضرور غالب آکر رہے گا۔ اور یہ تمام مادی اور طاغوتی
طاقتیں جو اس وقت اسلام سے نبرد آزما ہیں پاش پاش
ہو جائیں گی (انشاء اللہ) ہر سچا احمدی اسلام کے مستقبل
کے متعلق پُر اُمید ہوتا ہے بلکہ اُسے غلبۂ اسلام کا یقینِ
کامل ہوتا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے یہ الفاظ کچھ شبہ رہنے دیتے ہیں؟

(۱)

"یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام
کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی
کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی
رُوحانی تلوار کا ہے جیسا کہ وہ پہلے کسی
وقت اپنی ظاہری طاقت دکھا چکا ہے
یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی
میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا

اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علومِ
جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔
کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ
چڑھ کر آویں مگر انجام اُن کے لئے ہزیمت
ہے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام حاشیہ صفحہ ۲۵۴، صفحہ ۲۵۵)

(۲)

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر
اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے
مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے
گا نہ کُند ہو گا جب تک کہ دجالیت کو
پاش پاش نہ کر دے۔" (تذکرہ صفحہ ۲۸۶)

بہرحال یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اُس دور میں صرف اور صرف حضرت مسیح موعودؑ واحد شخصیت تھے جو مخالف قوتوں کے شدید حملوں کے باوجود اسلام کے غالب آجانے کا یقین دلا رہے تھے۔ سرسید احمد خاں نو جدید تہذیب سے مرعوب ہو گئے اور اسلام کو ہر صورت میں اس سے منطبق کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حالی نے مایوس ہو کر قوم کا مرثیہ پڑھ دیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"مسیح کی فتح ہو گی اور اسلام کے لئے
پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا
جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے۔ اور وہ
آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ
چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔"

(فتح اسلام صفحہ ۱۱)

یہی یقین ہے جو حضور کی جماعت میں آج تک موجود ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے کلام میں بھی اس جذبے کا جھلک جانا بالکل طبعی امر تھا۔

۱۲۔ جون ۱۹۰۶ء کی ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

مہدئ آخر زماں کا ہو چکا ہے اب ظہور
ہیں بہت جلد آنے والے دیں کے پھیلانے کے دن
یہ تراونت سب دھری رہ جائیگی جب وہ خدا
ہوش میں لائے گا تم کو ہوش میں لانے کے دن
اک جہاں مانے گا اُس دن ملتِ خیر الرسلؐ
اب تو تھوڑے رہ گئے اس دیں کے جھٹلانے کے دن

(صفحہ ۷)

۲۸۔ فروری ۱۹۰۷ء کی نظم میں فرماتے ہیں ؎

یہی یقین تھا جس نے ڈاکٹر اقبال کو بھی متاثر کیا، اور انہوں نے اپنے اشعار میں بکثرت ان تاثرات کا اس طرح اظہار کیا۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔ مارچ ۱۹۰۷ء کی غزل میں کہتے ہیں ؎

سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

(بانگِ درا صفحہ ۱۵۰)

اس چمن پر جبکہ تھا دورِ خزاں وہ دن گئے
اب تو ہیں اس باغ پر بار و بہار آنے کے دن
ظلمت و تاریکی و حقد و تعصب مٹ چکے
آگئے ہیں اب خدا کے چہرہ دکھلانے کے دن
جاہ و حشمت کا زمانہ آنے کو ہے عنقریب
رہ گئے تھوڑے سے ہیں اب گالیاں کھانے کے دن
——— (ص ۱۶)

تلقینِ عمل

خلافت اور امامت کے منصب کے لحاظ سے حضور پر خدا۔ رسول اور جماعت کی طرف سے متعدد اہم ذمہ داریاں عائد ہیں جنکو حضور کما حقہٗ سرانجام دیتے ہیں۔ احباب جماعت کو دینی۔ روحانی۔ اخلاقی۔ تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے بلند سے بلند تر مقامات تک لے جانے کے لئے نیز وقت کی ضروریات کے پیشِ نظر احباب سے قربانیوں کا مطالبہ کر کے ان کی قوتوں کو صحیح سمت میں لگانے کے لئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو قرآنی حکم فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۵ کے مطابق تلقینِ عمل کرنا پڑتی ہے۔ حضور کے کلام کا ایک اہم جزو ایسے نصائح پر مشتمل ہے جن میں حضور نے افرادِ جماعت اور قوم کے نونہالوں اور نوجوانوں کو اعلیٰ روحانی مدارج کے حصول اور دینی خدمات سرانجام دینے اور ایک مضبوط ترین اسلامی کردار اور سیرت کے اعلیٰ سانچوں میں ڈھلنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اختصار کے ساتھ ایسی بعض نظموں کے کچھ اشعار نمونے کے طور پر پیش ہیں۔

۱۳ر مارچ ۱۹۱۰ء کی نظم "اہلِ وفا ہو جاؤ" کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں ؎

عہد شکنی نہ کرو اہلِ وفا ہو جاؤ
اہلِ شیطاں نہ بنو اہلِ خدا ہو جاؤ
گرتے پڑتے درِ مولیٰ پہ رسا ہو جاؤ
اور پروانے کی مانند فدا ہو جاؤ
حق کے پیاسوں کیلئے آبِ بقا ہو جاؤ
خشک کھیتوں کے لئے کالی گھٹا ہو جاؤ
غنچۂ دیں کے لئے بادِ صبا ہو جاؤ
کفر و بدعت کے لئے دستِ قضا ہو جاؤ
بادشاہی کی تمنا نہ کرو ہرگز تم
کوچۂ یارِ یگانہ کے گدا ہو جاؤ
بحرِ عرفان میں تم غوطے لگاؤ ہر دم
بانیٔ کعبہ کی تم کاش دعا ہو جاؤ
امرِ معروف کو تعویذ بناؤ جاں کا
بے کسوں کے لئے تم عقدہ کشا ہو جاؤ
دمِ عیسیٰؑ سے بھی بڑھ کر ہو دعاؤں میں اثر
یدِ بیضا بنو موسیٰؑ کا عصا ہو جاؤ
موردِ فضل و کرم وارثِ ایمان و ہدیٰ
عاشقِ احمدؐ و محبوبِ خدا ہو جاؤ (ص ۴۴)

۵ر جنوری ۱۹۲۰ء کی نظم "احمدی اٹھ کہ وقتِ خدمت ہے" میں فرماتے ہیں ؎

احمدی اٹھ کہ وقتِ خدمت ہے
یاد کرتا ہے تجھ کو ربِّ عباد
شکر کر شکر یاد کرتا ہے
گو گرانی تھی دل کو جس کی یاد

خدمتِ دین ہوئی ہے تیرے سپرد
دُور کرنا ہے تُو نے شرّ و فساد

تجھ پہ ہے فرض نصرتِ اسلام
تجھ پہ واجب ہے دعوت و ارشاد

کفر و الحاد کے مٹانے کی
حق نے رکھی ہے تجھ میں استعداد

قصرِ کفر و ضلالت و بدعت
تیرے ہاتھوں سے ہوگا اب برباد

(صـ ۶۲، صـ ۶۳)

۷۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی طویل نظم "نونہالانِ جماعت سے خطاب" نوجوانوں کے لئے لائحہ عمل ہے۔ تربیتی اہمیت کے پیشِ نظر حضور نے اسے گراںقدر حواشی کیساتھ کتابی شکل میں علیحدہ بھی شائع فرمایا۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالبِ آرام نہ ہو

خدمتِ دین کو اِک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

دل میں ہو سوز تو آنکھوں سے رواں ہوں آنسو
تم میں اسلام کا ہو مغز فقط نام نہ ہو

سر میں نخوت نہ ہو آنکھوں میں نہ ہو برقِ غضب
دل میں کینہ نہ ہو لب پر کبھی دشنام نہ ہو

خیر اندیشئ احباب رہے مدِّ نظر!
عیب چینی نہ کرو مفسد و نمام نہ ہو

حُسن اس کا نہیں کھلتا تمہیں یہ یاد رہے
دوشِ مسلم پہ اگر چادرِ احرام نہ ہو

عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیّرِ الہام نہ ہو

دشمنی ہو نہ محبانِ محمدؐ سے تمہیں
جو معاند ہیں تمہیں اُن سے کوئی کام نہ ہو

اپنی اس عمر کو اِک نعمتِ عظمیٰ سمجھو
بعد میں تاکہ تمہیں شکوۂ ایّام نہ ہو

عُسر ہو یُسر ہو تنگی ہو کہ آسائش ہو
کچھ بھی ہو بند مگر دعوتِ اسلام نہ ہو

بھول مت کہ نزاکت ہے نصیبِ نسواں
مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گل اندام نہ ہو

حشر کے روز نہ کرنا ہمیں رُسوا و خراب
پیارو آموختۂ درسِ وفا خام نہ ہو

(صـ ۶۸، صـ ۶۹)

۱۰۔ ۱ جنوری ۱۹۳۰ء کی نظم "بلند ہمتی" میں فرماتے ہیں ؎

مَیں اپنے پیاروں کی نسبت ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں اور انکی نگاہ رہے نیچی

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شیروں کی طرح غراتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں تو منہ میں کف بھر لاتے ہوں

وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر اُمید لگائے بیٹھے ہوں
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو مقصود بنائے بیٹھے ہوں

شمشیرِ زباں سے گھر بیٹھے دشمن کو مارے جاتے ہوں
میدانِ عمل کا نام بھی لو تو چھپتے ہوں گھبراتے ہوں

گیدڑ کی طرح وہ تاک میں ہوں شیروں کے شکار پہ جانیکی
اور بیٹھے خوابیں دیکھتے ہوں وہ انکا جُوٹھا کھانیکی

اے میری اُلفت کے طالب یہ میرے دل کا نقشہ ہے
اب اپنے نفس کو دیکھ لے تُو وہ ان باتوں میں کیسا ہے
گر تیری ہمّت چھوٹی ہے گر تیرے ارادے مُردہ ہیں
گر تیری امنگیں کوتہ ہیں گر تیرے خیال افسردہ ہیں
کیا تیرے ساتھ لگا کر دل میں خود بھی کمینہ بن جاؤں
ہوں جنّت کا مینار مگر دوزخ کا زینہ بن جاؤں
ہے خواہش میری اُلفت کی تو اپنی نگاہیں اونچی کر
تدبیر کے جالوں میں مت پھنس کر قبضہ جا کے مقدّر پہ
میں واحد کا ہوں دِلدادہ اور واحد میرا پیارا ہے
گر تُو بھی واحد بن جائے تو میری آنکھ کا تارا ہے
تُو ایک ہو ساری دُنیا میں کوئی ساجھی اور شریک نہ ہو
تُو سب دُنیا کو دے لیکن خود تیرے ہاتھ میں بھیک نہ ہو

(صـ ۹۷، صـ ۹۸)

۱۴ - جولائی ۱۹۳۵ء کی ایک نظم "جنسِ وفا کا پیمانہ" ان دنوں کی یادگار ہے جب مجلسِ احرار کی شورش کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ پر ظلم و ستم کی ظلمت پوری طرح محیط تھی۔ ان ایام میں حضور نے جماعت کو استقلال، صبر اور عزم و ہمّت سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ اس نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں:-

دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دوا تم صبر کرو وقت آنے دو
یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہ پنپیں گے
اس راہ میں جان کی کیا پروا ہے جاتی ہے تو جانے دو
تم دیکھو گے کہ انہیں میں سے قطراتِ محبت ٹپکیں گے
بادل آفات و مصائب کے چھاتے ہیں اگر تو چھانے دو
صادق ہے اگر تو صدق دکھا قربانی کر ہر خواہش کی
ہیں جنسِ وفا کے ماپنے کے دنیا میں یہی پیمانے دو
جب سونا آگ میں پڑتا ہے تو کُندن بن کے نکلتا ہے
پھر گالیوں سے کیوں ڈرتے ہو دل جلتے ہیں جل جانے دو
جو سچے مومن بن جاتے ہیں موت بھی اُن سے ڈرتی ہے
تم سچے مومن بن جاؤ اور خوف کو پاس نہ آنے دو
وہ تم کو حسینؑ بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو

(صـ ۱۰۷)

جون ۱۹۴۸ء کی ایک نظم "کام کا وقت" میں نوجوانوں کو مردانہ صفات اپنانے اور میدانِ عمل میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی تلقین فرماتے ہیں:-

مردوں کی طرح باہر نکلو اور ناز و ادا کو رہنے دو
سِل رکھ لو اپنے سینوں پر اور آہ و بکا کو رہنے دو
اب تیرِ نظر کو پھینک کے تم اک خنجرِ آہن ہاتھ میں لو
یہ فولادی پنجوں کے ہیں دن اب دستِ حنا کو رہنے دو
کیا جنگوں سے مومن کو ہے ڈر وہ موت سے کھیلا کرتا ہے
تم اس کے سر کرنے کے لئے میدانِ دغا کو رہنے دو

(صـ ۱۳۳)

جولائی ۱۹۴۸ء کی ایک اور نظم "آگے قدم بڑھائے جا" میں یہی تلقینِ عمل موجود ہے:-

ذکرِ خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دُنیا میں جگمگائے جا
دوستوں دشمنوں میں فرق دابِ سلوک یہ نہیں
آپ بھی جام مے اُڑا غیر کو بھی پلائے جا

خالی اُمید ہے فضول سعیٔ عمل بھی چاہیئے
ہاتھ بھی تُو ہلائے جا آس کو بھی بڑھائے جا
عشق کی سوزشیں بڑھا جنگ کے شعلوں کو دبا
پانی بھی سب طرف چھڑک آگ بھی تُو لگائے جا

(صفحہ ۱۳۴)

محبّت کا وسیع دائرہ

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اُردو شاعری میں بدقسمتی سے محبّت کا دائرہ بہت تنگ رہا ہے۔ دربار داری دَور میں تو امرد پرستی اور طوائف پرستی ہی کا نام محبّت تھا۔ اس طوفان کے سامنے ایک حد تک مرثیے نے بند باندھا۔ مرثیوں میں ہمیں بہن بھائی کی محبّت، ماں بیٹے کی محبّت، رشتہ داروں کی محبّت اور آقا و خادم کی محبّت کے نظارے نظر آتے ہیں مگر اس محبّت پر لکھنوی تہذیب کی مصنوعیت اور تصنّع کی ایک ایسی گہری چھاپ ہے جس سے اُسکے نقوش کچھ نہ کچھ ضرور مدہم پڑتے ہیں لیکن اس لحاظ سے غنیمت ہے کہ ایک خوشگوار تغیّر کا آغاز ہے۔ اس کے علاوہ مولانا حسرت موہانی (متوفی ۱۹۵۱ء) نے بھی محبوب اور عشق کے بارہ میں نقطہ نظر میں صحت مندانہ تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ نئی اور پُرانی غزل کے مقامِ اتصال پر ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان کے متعلق ڈاکٹر یوسف حسین خان کی رائے ہے :-

"جس طرح غالب کا عشق امیرانہ تھا۔ اور میر صاحب کا عشق فقیرانہ تھا۔ اسی طرح حسرت کا عشق شریفانہ ہے"!

(حسرت کی شاعری صفحہ ۳۸)

حسرت نے شعرائے عرب کے تتبع میں "بنتِ عم" سے محبّت کا تصوّر رائج کرنے کی کوشش کی ہے مگر کہیں کہیں رکاکت اور ابتذال کی لہر ان کے پائے ثبات کو ڈگمگا گئی ہے ـــــ اس مختصر سی بحث سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُردو شاعری میں محبّت کا دائرہ صحیح رنگ میں وسیع نہ تھا۔ احمدیت کی پیش کردہ دینی شاعری کا اُردو شاعری پر ایک عظیم احسان یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اُردو شاعری میں محبّت کے دائرے کو صحیح رنگ میں نئی وسعتیں میسّر آئیں۔

حضور کے کلام میں ہمیں روحانی محبّتوں کے علاوہ مجازی محبّتوں میں

- بہن سے محبّت
- بیوی سے محبّت
- بچّوں سے محبّت
- رشتہ داروں سے محبّت
- محسنوں کی اولاد سے محبّت
- دوستوں سے محبّت
- غریبوں اور مظلوموں سے محبّت وغیرہ

غرض انواع و اقسام کی محبّتوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور خلوص اور پاکیزگی کی فضا کے ساتھ۔ اس لحاظ سے یہ صورتِ حال یقیناً اُردو شاعری میں مفید اضافہ ہے۔ اب چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :-

بہن سے محبّت

حضور نے اپنی ہمشیر حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ختمِ قرآن کی تقریب پر ایک طویل روح پرور

نظم رقم فرمائی جو ایک بھائی کی بہن سے بے پناہ محبت کے جذبات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا ایک اور پہلو بھی ہے جو حضور کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"میری اور عزیزان بشیر احمد، شریف احمد، مبارکہ کی آمین بنانے کے بعد حضرت صاحب کا ارادہ تھا کہ آئندہ آمین کا مصرعہ "فسبحان الذی اوفی الاعادی" ہو لیکن منشائے الٰہی کے ماتحت آپ تو اس کام کو پورا نہ کر سکے۔ اب امۃ الحفیظ میری چھوٹی ہمشیرہ نے قرآن شریف ختم کیا ہے اس کے لئے میں نے یہ آمین تیار کی ہے۔ اور حضرت صاحب کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے اسی مصرعہ کو آمین میں رکھا ہے۔۔"

(الحکم ۱۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء)

یہ طویل آمین ۹۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے کچھ مندرجات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

بیوی سے محبت

حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہؓ (والدہ محترمہ حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ العالی) کے انتقال پُرملال پر حضور نے جولائی سنہ ۱۹۳۳ء میں ایک دردناک نظم میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

جس کی حیات ایک ورقِ سوز و ساز تھی
جیتی تھی جو غذائے تمنائے یار پر

مقصود جس کا علم و تقا کا حصول تھا
رکھتی تھی جو نگاہ لطفِ یار پر

تھی ماحصل حیات کا اک سعیٔ ناتمام
کاٹی گئی غریب حوادث کی دھار پر

دل کی امیدیں دل ہی میں سب دفن ہو گئیں
ہائے امید ثبت رہا انتظار پر

ہاں اے مغیث سن لے مری التجا کو آج
کر رحم اُس وجودِ محبت شعار پر

اُس مے گسار بادۂ اُلفت کی رُوح پر
اس بوستانِ عشق و وفا کی مزار پر

ہاں اُس شہیدِ علم کی تربت پہ کر نزول
خوشبوؤں کا باب کھول غموں کی شکار پر

میری طرف سے اُس کو جزائے نیک دے
کر رحم اے رحیم دلِ سوگوار پر

حاضر نہ تھا وفات کے وقت اے مرے خدا
بھاری ہے یہ خیال دلِ ریش و زار پر

ڈرتا ہوں وہ مجھے نہ کہے بازبانِ حال
جاؤں کبھی دعا کو جو اُس کے مزار پر

جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم تیرے ایسے پیار پر

(صفحہ ۱۰۳، صفحہ ۱۰۴)

مئی سنہ ۱۹۴۴ء میں حضرت اُمّ طاہر سیدہ مریم بیگم صاحبہؓ کی وفات حسرت آیات پر بھی ایک نظم میں اپنی قلبی

حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

گھر سے میرے وہ گلعذار گیا
دل کا سکھ چین اور قرار گیا

مسکراتے ہوئے ہوا رخصت
ساتھ اس کے ہمیں اشکبار گیا

باغ سونا ہوا مرا جب سے
شجر سبز و باردار گیا

اب تو ہم ہیں خزاں ہے نالے ہیں
بلبلو! موسم بہار گیا

نغمہ ہائے چمن ہوئے خاموش
کیا ہوا کس طرف ہزار گیا

آہ ہوئے عشق رہ گیا باقی
عنبریں موو مشک بار گیا

اے خدا اس کا چارہ کیا جس کا
غم کے بڑھتے ہی غمگسار گیا

(صـ۱۱)

بچوں سے محبت

حضور نے اپنے بعض بچوں اور بچیوں کے ختم قرآن کے موقعہ پر "آمین" رقم فرمائی۔ اپنے بچوں کے علاوہ حضور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صاحبزادی محترمہ امتہ السلام صاحبہ کو بھی اس آمین شامل فرمایا۔ اس آمین کے ابتدائی بند پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضور کو بچوں سے کتنا پیار ہے۔

فرماتے ہیں ؎

مرا دل ہو گیا خوشیوں سے معمور
ہوئے ہیں آج سب رنج و الم دور

نوید راحت افزا آ رہی ہے
بشارت ساتھ اپنے لا رہی ہے

سلام اللہ کی پہلی عنایت
مسیحا نے جسے بخشی تھی برکت

مرا ناصر۔ مرا فرزند اکبر
ملا ہے جس کو حق سے تاج و افسر

(حفظ قرآن)

وہ میری ناصرہ وہ نیک اختر
عقیلہ، باسعادت پاک جوہر

مبارک جو کہ بیٹا دوسرا ہے
خدا نے اپنی رحمت سے دیا ہے

مری قیوم میرے دل کی راحت
خدا نے جس کو بخشی ہے سعادت

منور جو کہ مولیٰ کی عطا ہے
بشارت سے خدا کی جو ملا ہے

رشیدہ جس کو حق نے رشد بخشا
بنایا نیک طینت اور اچھا

عزیزہ سب سے چھوٹی نیک فطرت
بہت خاموش پائی ہے طبیعت

یہ سارے ختم قرآں کر چکے ہیں
دلوں کو نورِ حق سے بھر چکے ہیں

(صـ۹۹، صـ۱۰۰)

۱۹۳۹ء میں اپنی ایک صاحبزادی کی تقریب رخصتانہ

پراثر انگیز پیرائے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا - صرف چند شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

کل دوپہر کو ہم جب | تم سے ہوئے تھے رخصت
ظاہر میں چُپ تھے لیکن | دل خُون ہو رہا تھا
افسردہ ہو رہا تھا | محزون ہو رہا تھا

اے میری پیاری بیٹی

میرے جگر کا ٹکڑا | میری کمر کی پیٹی
تم یاد آرہی ہو | دل کو ستا رہی ہو
میں کیا کروں کہ ہردم | تم دُور جا رہی ہو!

(صٓ۱۱)

رشتہ داروں سے محبّت

حضور نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں پندرہ سولہ سال کی عمر میں یعنی ۱۹۰۶ء میں اپنے ماموں حضرت علّامہ میر محمد اسحٰق صاحب رضؓ کی تقریب شادی کے موقع پر کچھ اشعار موزوں فرمائے جو اس محبّت کی علامت ہیں جو حضور کو اپنے رشتہ داروں سے ہے۔ حضور فرماتے ہیں ؎

میاں اسحٰق کی شادی ہوئی ہے آج اے لوگو
ہراک مُنہ سے یہی آواز آتی ہے مُبارک ہو
دُعا کرتا ہوں میں بھی ہاتھ اُٹھا کر حق تعالیٰ سے
کہ اپنی خاص رحمت سے وہ اس شادی میں برکت دے
خُدایا اس نئی پراور نے پر فضل کر اپنا
اور انکے دل میں پیدا جوش کر دے دیں کی خدمت کا
کلام پاک کی اُلفت کا ان کے دل میں گھر کر دے
نبیؐ سے ہو محبّت اور تعشّق ان کو ہو تجھ سے
ہراک دشمن کے شر سے تو بچا نا اے خُدا اِن کو
ہمیشہ کے لئے رحمن کا تیری اُن پہ سایہ ہو
ہمیشہ کے لئے اُن پر ہوں یا رب برکتیں تیری
دُعا کرتا ہوں یہ تجھ سے خدایا سُن دُعا میری

(صٓ۳)

اسی طرح حضور نے اپنے دوسرے ماموں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ کی صاحبزادی حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (جو بعد میں حضور کے حرم میں آئیں) کے ختمِ قرآں کی تقریب پر مئی ۱۹۳۵ء میں ایک طویل نظم کے ذریعے پاکیزہ خیالات کا اظہار فرمایا بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مریم نے کیا ہے ختم قرآں
اللہ کا ہے اس پہ احساں
الفاظ تو پڑھ لئے ہیں سارے
اب باقی ہے مطلب اور عرفاں
اللہ سے یہ مری دُعا ہے
ان کو بھی کرے وہ اس پہ آساں
توفیق ملے اُسے عمل کی
کامل ہو ہراک جہت سے ایماں
مولیٰ کی عنایت و کرم کا
سایہ رہے اُسکے سر پہ ہر آں
حلقہ میں ملائک کے کھیلے
ہر دم رہے دُور اس سے شیطاں (صٓ۸۲)

محسنوں سے محبّت

۱۹۰۵ء میں حضور کے اُستاد حضرت مولانا حکیم

نور الدین صاحب بھیرویؓ (جو بعد میں خلیفۃ المسیح بنے) کے فرزند ارجمند صاحبزادہ میاں عبد الحی صاحب کے ختم قرآن پر ایک نظم لکھی جس میں اظہارِ تشکر کرتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کو مبارکباد پیش کی یہ محسن اور اس کے فرزند سے محبت کی دلیل ہے۔ حضور فرماتے ہیں ؎

پڑھ لیا قرآن عبد الحی نے
خوش بہت ہیں آج سب چھوٹے بڑے
ایسی چھوٹی عمر میں ختم قرآں
کم نظیریں ایسی ملتی ہیں یہاں
مولوی صاحب مبارک آپ کو
اور عبد الحیؓ کے اُستاد کو
جس نے محنت کی شب و روز اس کے ساتھ
اور پڑھایا اس کو قرآں ہاتھوں ہاتھ
صد مبارک مہدیٔ مسعود کو
کیوں نہ خوشی سب سے بڑھ کر اس کو ہو
جس کی سچائی کا ہے یہ اک نشاں
جانتا ہے بات یہ سارا جہاں

(صـ۲)

متفرق منظومات

حضور کے پُرکیف رُوح پرور کلام کے بعض اجزائے ترکیبی کی طرف میں نے اختصار کے ساتھ اشارہ کر دیا ہے ان کے علاوہ حضور کی بعض منظومات ایسی بھی ہیں جو حضور کے گہرے ذاتی احساسات کا پرتو ہیں۔ یہ احساسات کسی منظر، صورتِ حال یا تلخ حقیقت یا کسی تضاد کے تجربے کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ مگر ان میں بھی مندرجہ بالا عناصر ترکیبی میں سے کوئی نہ کوئی جزو کارفرما ہے۔ ایسی منظومات بھی بہت پیاری اور دلکش ہیں مثلاً "دلِ دیوانہ کی آبادی" (صـ۸۹)، "وفائے عشق" صـ۹۴)۔ "زخم دل ہو گئے ہرے میرے" (صـ۱۰۴) "تصویر کے دو رُخ" (صـ۱۶۶) - وغیرہ

"دلِ دیوانہ کی آبادی" میں حضور نے اچھوتے رنگ میں فراق کی کیفیتوں کو واضح فرمایا ہے۔ محبت نورِ بصارت۔ احساسِ انانیت وغیرہ کا تجزیہ فرمایا ہے صرف دو بند ملاحظہ کیجئے ؎

مرے ہمراز کہتے ہیں کہ اک شے نور ہوتی ہے
جب آتی ہے تو تاریکی معاً کافور ہوتی ہے
علاجِ رنج و غم ہائے دلِ رنجور ہوتی ہے
طبیعت کتنی ہی افسردہ ہو مسرور ہوتی ہے
مگر ہم کیا کریں جن کے کہ دن بھی ہو گئے راتیں
مرے ہمراز آنکھیں بھی خدا کی ایک نعمت ہیں
ہزاروں دولتیں قربان ہوں جس پر وہ دولت ہیں
بنائے جسم میں سچ ہے کہ بابِ علم و حکمت ہیں
مثالِ خضر ہمراہِ طلب گارِ زیارت ہیں
مگر وہ منہ نہ دکھلائیں تو پھر ہم کیا کریں آنکھیں

(صـ۸۹، صـ۹۰)

"زخم دل ہو گئے ہرے میرے" میں قدرتی مناظر کی بڑے دلکش پیرائے میں عکاسی کی گئی ہے ؎

ابر آتے تھے اور جاتے تھے
دل کو ہر اک کے خوب بھاتے تھے

بجلیوں کی چمک میں مجھ کو نظر
جلوے اُس کی ہنسی کے آتے تھے
زخم دل ہو گئے ہرے میرے
ہر چمن سے میں اشکبار آیا
کہیں ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں
ناز و رعنائی سے مچلتی تھیں
ان کی رفتار کی دلا کر یاد
دل مرا چٹکیوں میں ملتی تھیں
زخم دل ہو گئے ہرے میرے
ہر چمن سے میں اشکبار آیا
تھے طرب سے درخت بھی رقصاں
گویا قسمت پہ اپنی تھے نازاں
پتّے پتّے کے پاس جا کر میں
سونگھتا تھا بُوئے میر کنعاں
لوگ سب شادمان و خوش آئے
ایک میں تھا کہ سوگوار آیا
(صـ ۱۰۵، صـ ۱۰۶)

دسمبر ۱۹۵۴ء کی نظم "تصویر کے دو رُخ" ایک عجیب و غریب نظم ہے اس میں حضور نے متضاد کیفیتوں کا اچھوتے رنگ میں مقابلہ کیا ہے۔ اس نظم کے اکیس بند ہیں پوری نظم پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے مگر مضمون بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دو چار بند دے کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ حضور تصویر کا پہلا رُخ پیش کر کے فرماتے ہیں۔ ـــ

مر رہا ہے بھوک کی شدّت سے بیچارہ غریب
ڈھانکنے کو تن کے گاڑھا تک نہیں اسکو نصیب
کھاتے ہیں زردہ پلاؤ قورما اور شیرمال
مخملی دوشالے اوڑھے پھرتے ہیں اسکے رقیب
تیرے بندے اے خدا دنیا میں کچھ ایسے بھی ہیں
جب وبا آئے تو پہلے اس سے مرتے ہیں غریب
مالداروں کو مگر لگتے ہیں ٹیکے ہے عجیب
موت جس کے پاس ہے آئی ہے وہ تو محروم دوا
اور جو محفوظ ہیں ان کو دوائیں ہیں نصیب
تیرے بندے اے خدا دنیا میں کچھ ایسے بھی ہیں

تصویر کے اس رُخ کے دس بند ہیں جن کے بعد "تصویر کا دوسرا رُخ" شروع ہوتا ہے جس کے گیارہ بند ہیں۔ ان میں سے دو بند ملاحظہ کیجئے ـــ

وہ بھی ہیں کچھ جو کہ تیرے عشق سے مخمور ہیں
دنیوی آلائشوں سے پاک ہیں اور دور ہیں
دنیا والوں نے انہیں بے گھر کیا بے زر کیا
پھر بھی اُن کے قلب حُبِّ خلق سے معمور ہیں
تیرے بندے اے خدا سچ ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں
جن کو بیماری لگی ہے وہ ہیں غافل سو رہے
پر یہ اُن کی فکر میں ہیں سخت بے کل ہو رہے
ایک بیماری سے گھائل ایک فکروں کا شکار
دیکھئے دنیا میں باقی یہ رہے یا وہ رہے
تیرے بندے اے خدا سچ ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں
(صـ ۱۶۶، صـ ۱۶۸)

اجزائے ترکیبی اختصار سے بیان کرنے کے بعد

مناسب یہ ہے کہ حضور کے کلام کے فنی محاسن بیان کئے جائیں مگر اس پہلو کے اظہار کے لئے بھی کم از کم اتنے ہی صفحات درکار ہیں۔ اس لئے اسے کسی آئندہ صحبت پر اٹھا رکھتا ہوں آخر اتنا کہنے سے رُک نہیں سکتا کہ جب احمدیت کے ذریعے اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا اور احمدیت کے طفیل زبانِ اُردو کو بھی انتہائی مقبولیت اور عروج حاصل ہوگا۔ اُس وقت جبکہ تعصبات کے بادل چھٹ چکے ہوں گے اُس شاعری کی اصل قدر و قیمت اور صحیح مقام متعین کیا جائے گا جسکی بنیاد احمدیت نے رکھی ہے اور اس جائزے میں بلاشبہ "کلامِ محمود" کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہوگی!! (ان شاءاللہ)

بقیہ از صفحہ ۱۶

"وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"

ایک نئے رنگ میں بھی پورے ہوگئے۔ کہ اسلام کے تین روحانی مراکز یعنی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور قادیان کے علاوہ مصلح موعود کے ہاتھوں سے ایک چوتھا مقام مرکز دار الہجرت ربوہ بھی معرضِ وجود میں آگیا۔ اس کے قیام سے حدیث شریف کی وہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔ کہ

حرز عبادا للہ الی الطور

یعنی ایک مصیبت کے وقت میں اللہ تعالے ابن مریم کو وحی کرے گا کہ خدا کے بندوں کو پہاڑوں کی پناہ میں لے چل۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز کا اغلباً ۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۳ء والا رویا بھی پورا ہوا جس میں آپ نے دیکھا تھا کہ

آپ ایک نئے مرکز کی تلاش میں ہیں اور ایک ایسی جگہ پہنچے ہیں۔ جہاں باوجود پہاڑ کے میدان کی صورت ہے دوحہ اسمٰعیل والا الہام بھی پورا ہوا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

شائد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام علاوہ اپنے دوسرے مفہومات کے ربوہ کے قیام کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے کہ

یا جبالُ اَوِّبِی مَعَہٗ وَالطَّیر

(تذکرہ طبع ثانی صفحہ ۵۸)

یعنی اے پہاڑو! اور اے پرندو! اس کے ساتھ ملکر خدا تعالے کی تسبیح و تحمید کرو۔ یہ قادیان کے قدسی پرندے ہی تھے جن کو ظالم صیاد نے اپنے دائمی نشیمن قادیان سے اڑا دیا۔ وہ وہاں سے اڑ تو گئے مگر انقلاب زمانہ نے انہیں منتشر نہیں کیا سیدھے ربوہ کی پہاڑیوں کے دامن تلے جمع ہوگئے اور خدا تعالے کی تسبیح و تحمید اور مہمات دینیہ میں پہلے کی طرح مشغول ہوگئے۔ بلکہ خدا تعالے کی نصرت اور توفیق نے ان کے قدموں کو اور بھی تیز کر دیا۔

ہمارا یہ نیا مرکز حضرت مصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی صداقت، عظمت اور اولوالعزمی کا ایک زندہ نشان ہے کہ آپ کے ہی ہاتھ سے اللہ تعالے کی پیشگوئیوں کے مطابق اس مرکز کی تعمیر ہوئی۔ سنت ابراہیمی کا نظارہ دنیا نے پھر سے دیکھ لیا۔ اور یہ مقام خدا تعالے کے عظیم شعائر اللہ میں سے قرار پا گیا۔ وکان امر اللہ مفعولا

تبصرہ

"کامیابی کی راہیں"

احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے مرکزی شعبۂ اطفال کی طرف سے چار باتصویر کتابچوں کی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یہ نہایت مفید کتب جو "کامیابی کی راہیں" کے نام سے موسوم کی گئی ہیں اطفال الاحمدیہ کے چاروں امتحانی مدارج یعنی ۰ ستارۂ اطفال ۰ ہلالِ اطفال ۰ قمرِ اطفال ۰ بدرِ اطفال کے نصاب کو مدنظر رکھ کر بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہیں تا ہر احمدی بچہ ان چاروں امتحانات کی تیاری کر سکے۔ ان میں سے پہلی کتاب جو امتحان ستارۂ اطفال کے نصاب پر حاوی ہے چھپ کر بازار میں آچکی ہے بقیہ تینوں کتب بھی امید ہے چند دنوں میں تیار ہو جائیں گی۔ احمدی بچوں کیلئے اس طرز کی تعلیمی و تربیتی کتب کی شدید ضرورت ہے جو آسان اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہوں اور بچوں کی علمی و عملی ضروریات کو کما حقہٗ پورا کرنے والی ہوں۔ اسلئے ہم والدین سے پُرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ ضرور یہ کتب خرید کر اپنے بچوں کے ہاتھوں میں تھما دیں۔ یہ کتابیں اتنی دلکش اور دلچسپ ہیں کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ بچے انہیں ضرور پسند کریں گے۔

ان کتب کی قیمت بہت معمولی مقرر کی گئی ہے۔ پہلے حصہ کی قیمت ۳۰ نئے پیسے ہے۔ چاروں کتب کا مکمل سیٹ جو ازاند تین صد صفحات، ۳۲ فوٹو زنکو، بزنگ کاغذ اور دیدہ زیب سرورق پر مشتمل ہوگا دفتر اطفال الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ سے دو روپیہ میں مل سکے گا۔ بچوں کے اس نہایت عمدہ سلسلہ کتب کی اشاعت پر مرکزی مہتمم صاحب اطفال بہت مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(ر ۔ ا ۔ ش)

خدام الاحمدیہ کا تیئیسواں ۲۳ مرکزی

سالانہ اجتماع

ہمارا آئندہ سالانہ اجتماع انشاء اللہ العزیز ۲۳-۲۴-۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار مرکز ربوہ میں اپنی سابقہ شاندار روایات کے ساتھ منعقد ہوگا۔ یہ ایک تربیتی اجتماع ہے اور اس کی غرض احمدی نوجوانوں میں ذکرِ الٰہی کا شوق، خدمتِ دین، حب الوطنی اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کی تربیت دینا ہے۔ اس اجتماع کے چند نمایاں فیچر یہ ہیں:-

- روح پرور ماحول
- ذکرِ الٰہی اور کثرتِ درود سے معمور تین ایام
- مجلسِ شوریٰ
- انتخابِ صدر
- علمی و تربیتی تقاریر
- دینی علمی مقابلے (تقریری و تحریری)
- مذہبی و علمی سوالات کے جوابات
- تلقینِ عمل
- صحتمند کھیلیں اور
- ورزشی مقابلے

الغرض ہمارا یہ اجتماع خدام کی روحانی ٹریننگ اور علمی و عملی تربیت کا ایک نادر موقع ہے اسلئے اس میں زیادہ سے زیادہ خدام کو شامل ہونا چاہیئے۔ قائدینِ مجالس کے لئے تو بالخصوص خود آکر اجتماع میں شریک ہونا نہایت ضروری ہے تا وہ اس لائحہ عمل کا عملی مشاہدہ کر سکیں جس پر انہوں نے سال بھر عمل کرنا اور کروانا ہے۔ اس اہم مقصد کے لئے اگر انہیں اپنا کچھ حرج بھی کرنا پڑے تو اس سے ہچکچانا نہیں چاہیئے۔ اگر قائدِ مجلس کسی مجبوری کی بناء پر شامل نہ ہو سکتے ہوں تو اپنا نمائندہ بہر حال بھجوائیں۔ کیونکہ اجتماع میں ہر مجلس کی نمائندگی ضرور ہو جانی چاہیئے۔

شامل ہونے والے خدام اپنے ہمراہ مقررہ تصدیقی فارم قائد مقامی کے دستخطوں کے ساتھ لیتے آئیں۔ مہمانوں کے قیام اور طعام کا انتظام مجلس مرکزیہ کی طرف سے کیا جائے گا۔ موسم کے مطابق بستر اور ضرورت کی اشیاء مہمان خود اپنے ہمراہ لائیں۔

اطفال الاحمدیہ کا اجتماع بھی انہی تاریخوں میں علیحدہ انتظام کے تحت منعقد ہو رہا ہے۔ اس کی تفصیلات ماہنامہ تشحیذ الاذہان کے ستمبر ۶۴ء کے شمارہ میں درج کر دی گئی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو اور ہمیں صحیح رنگ میں اپنے اس قومی اجتماع کی برکات سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ÷

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)